

(جملہ حقوق بذریعہ حرطری محفوظ ہیں)

خیالاتِ شہباز

یعنی

مولوی سید محمد عبدالغفور صاحب شہباز مرحوم مصنف رباعیات شہباز
وحیات بے نظیر یعنی سولہ عمری نظیر اکبر آبادی وغیرہ وغیرہ کی

ان

چند نظموں کا مجموعہ جس کو سید عبدالحمید صاحب نے اپنے

اہتمام سے

نظامی پریس بدایوں میں چھپوایا

۱۹۱۶ء

نظام الدین حسین پرنٹر

(بدرست سہ ماہی پور)

ایضاح

۱۵۵

س

اطلاع

۱۵۵

یہ کتاب (خیالات شہباز) میرے والد ماجد مرحوم مولوی سیاح محمد عبدالغفور شہباز کی تصنیف سے ہے اس کا حق تصنیف مجھے وراثت پہنچا ہے اور میں نے بصرف کثیر اپنے اہتمام سے مطبع نظامی بدایوں میں اسے چھپوایا ہے۔ اس کے کل حقوق حسب ایکٹ ۱۹۱۲ء (سوپریم کونسل) محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب بغیر میری تحریری اجازت کے اس کتاب کے کل یا جز کے چھاپنے یا چھپوانے کا قصد نفرائس ورنہ حسب منشاء و فوات ۶ و ۷ ایکٹ مذکورہ بالا دیوانی اور فوجداری مواخذہ میں گرفتار ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ

رانت
بشری بیگم

Checked 1969.

Checked 1972

شیش ۱۵۹



هو الغفور

مولوی سید محمد عبد الغفور شہباز ہندوستان کے اُن مشاہیر شعرا و نثاریں
تھے جن کے سر قبولیت عامہ کا سرا بند ہ چکا ہے۔ اُن کا مولد اگچھ ہرا
میں ہے۔ لیکن مرحوم نے بد شعور سے بارہ ضلع پٹنہ کو جہاں اُن کی تخیل
بھٹی اپنا وطن کر لیا تھا۔ آپ کے والد بزرگ وار کا نام سید طالب علی تھا۔ صوبہ بہار
میں سادات نجیب الطرفین ہونے کے سبب سے ان کا خاندان ہمیشہ معزز و موقر
ہو۔ ابتدا میں مرزا حالی بھی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس حالت میں انحطاط پیدا ہونا
شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ مرحوم اور اُن کے دیگر اراکین خاندان کو مجبوراً ملازمت
کی طرف توجہ مبذول کرنی پڑی۔

مرحوم شہباز نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی تھی مگر وہ تعلیم سے
زیادہ تربیت کے سبق دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آخر عمر تک وہ خوش چلن رہے۔
مرحوم انگریزی پڑھنے کے لیے جب اسکول میں داخل ہوئے تو خان بہادر مولوی
سید عبد العزیز سبج (اپنے نسبتی بھائی) کے پاس رہنے گئے۔ سبج صاحب
ایک نیک نام اور قابل عہدہ واروں میں تھے۔ علم و فضل کے ساتھ خوش مذاقی

اور حسن اخلاق میں بہت مشہور تھے۔ مرحوم شہباز کی یہ خوش نصیبی نہیں تو کیا تھی کہ لڑکپن ہی سے اُن کو ایک ایسے قابل اور بزرگ کے زیرِ عاطفت تعلیم اور نشوونما کا موقع مل گیا جس کی چھوٹے چھوٹے بچوں کو اس قدر ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں شہباز نے فارسی اور عربی کو دل لگا کر پڑھا اور انگریزی میں انٹرنس کے درجے تک پہنچ کر کچھ عرصے تک تلاشِ معاش میں مشغول رہے۔ مگر جب کوئی معقول صورت نہ نکلی تو سب جج صاحب نے اُن کو اپنے پاس تعلیم کے لیے نہیں بلکہ امیدواری ملازمت کے لیے پھر بلا لیا۔ اس زمانے میں اردو کے مکملی کے فدائی مولوی سید محمد صاحب مظفر پور (صوبہ بہار) میں رجسٹر اسٹھے (جو بعد میں خطابِ نوابی عمدہ جلیلہ النسبہ جنرل رجسٹریشن صوبہ بنگال و بہار سے پنشن یاب ہوئے) سید محمد عبدالغفور اگرچہ اس زمانے میں کم سن تھے لیکن وہ ایسی بیماری اُردو لکھتے تھے کہ لوگ عشتش کرتے تھے۔ شدہ شدہ اُردو لٹریچر میں انھوں نے اتنی ترقی کی کہ صوبہ بہار اب تک مرحوم کی نظیر پیدا نہیں کر سکا۔ اسی اُردو کی چاٹ نے مولوی سید محمد صاحب اور شہباز کے درمیان رُسل و رسائل کی بنیاد ڈالی۔ شہباز کے دل میں شوقِ ملاقات اور حصولِ نیاز کا ذوق پیدا ہوا تو مولوی سید محمد صاحب نے اُن کو اپنے پاس بلا لیا۔ اس زمانے میں نواب سید محمد آزاد مولوی سید محمد صاحب کے بھائی بھی مظفر پور میں موجود تھے۔ یہ دونوں علم دوست بھائی کم سن شہباز کی ذہانت، لیاقت اور بلند پروازیوں سے اس قدر خوش ہوئے کہ دل سے ہی خواہ اور سر پرست بن گئے۔ اسی زمانے میں کلکتہ سے ”والا سلطنت“ ایک اُردو اخبار جاری ہونے لگا تھا۔ مالکانِ اخبار نے نواب بہادر عبداللطیف خاں (سی۔ آئی۔ ای) مرحوم اور نواب سید محمد صاحب سے درخواست کی کہ وہ اخبار کے لیے کوئی لالیٹ اڈیٹر

تجویز فرمادیں۔ چناں چہ ان دونوں صاحبوں نے مرحوم شہباز کو انتخاب کیا۔ شہباز مرحوم نے ”دار السلطنہ“ کی پہلی زندگی میں جس لیاقت اور قابلیت کے ساتھ روح پھونکی دوسرے جنم میں ویسی روح اُس کو نصیب نہ ہوئی۔ چند سال کے بعد جب اخبار بوجہ بند کر دیا گیا تو شہباز اپنے وطن واپس چلے آئے۔

کچھ عرصے کے بعد نواب عبداللطیف خاں مرحوم نے ”مذاکرہ علیہ کلکتہ“ ایک مجلس کے سلسلے میں مرحوم شہباز کو کلکتہ پھر بلا لیا۔ جہاں اُنھوں نے نہایت عمدہ طرح سے کام کیا۔ اسی زمانے میں کلکتہ کی مشہور نمائش (۱۸۵۳ء) کا بڑے پیمانے اور زور شور کے ساتھ افتتاح ہوا۔ مرحوم شہباز نے بمشورہ خان بہادر نواب زادہ ابوالخیر محمد عبدالسبحان ڈپٹی مجسٹریٹ و دیگر احباب ”جریدہ نمائش“ کے نام سے ایک اخبار جاری کیا۔ یہ اگرچہ قدر و قامت میں ایک چھوٹا سا پرچہ تھا لیکن زمانہ قیام نمائش میں یہ صغیر السن پرچہ اس قدر پھلا پھولا کہ لوگ آج تک اُس کو یاد کرتے ہیں۔ ۱۸۵۶ء میں جب نواب عبداللطیف خاں مرحوم وزیر بھوپال ہوئے تو مرحوم شہباز کو بطور پرنسپل اسٹنٹ اپنے ساتھ لیتے گئے۔ وہاں اُنھوں نے نہایت دیانت و قابلیت اور لیاقت کے ساتھ اپنے فرائض کو انجام دیا۔ بھوپال کی واپسی کے بعد مرحوم شہباز نواب سید محمد صاحب کے ساتھ پٹنہ میں رہنے لگے۔ نواب صاحب ان دنوں یہاں ڈپٹی کمشنر تھے۔ یہی وہ زمانہ ہے کہ مرحوم شہباز کو اپنی انگریزی تعلیم کی تکمیل کا خیال از سر نو بڑے جوش کے ساتھ پیدا ہوا۔ اور بہار نیشنل اسکول کے انٹرنش کلاس میں داخل ہو کر نہایت استقلال اور محنت کے ساتھ تعلیم شروع کر دی۔ بالآخر اس محنت کا یہ نتیجہ ملا کہ اول درجہ میں انٹرنش

پاس کر کے وظیفہ حاصل کیا۔ بعد ازاں بہار نیشنل کالج سے دو برس کے بعد ایف اے پاس کر کے بی۔ اے میں پڑھنے لگے۔ لیکن بی۔ اے کے عین امتحان کے وقت بدقسمتی سے امراض صدر میں وہ ایسے مبتلا ہوئے کہ سرکاری امتحان نہ ہو سکے۔ ڈاکٹروں نے امراض صدر دیکھ کر یہ رائے دی کہ آئندہ تعلیم روک دی جائے۔ جب وہ تعلیم کی طرف سے مایوس ہو گئے تو اب ان کو پھر تلاش روزگار کی فکر ہوئی۔ اس وقت یہ صاحب اولاد ہو چکے تھے۔ آخر کار ریاست حیدر آباد کے ہیوم ڈیپارٹمنٹ میں مولوی عزیز مرزا مرحوم کی ماتحتی میں مترجمی وغیرہ کے کام پر مامور ہو گئے۔ کچھ عرصے وہاں کام کر کے اورنگ آباد دکن کالج میں پروفیسری پر بھیج دیے گئے جہاں مرحوم کو تصنیف و تالیف کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ پروفیسری کے بعد ریاست بھوپال کے سررشتہ تسلیم کے ڈائریکٹر مقرر ہو کر گئے۔ وہاں ان کی دلی والی دوسری بیوی کا انتقال ہو گیا۔ وہ من جملہ اور وجوہ کے اس صدمہ جانکاں سے بیمار ہو گئے اور ریاست کی نوکری سے استعفیٰ ہو کر دلی اپنی سسرال چلے گئے۔ نواب سید محمد صاحب نے ان کی بیماری اور بے کاری کا حال سُن کر اپنے پاس کلکتے بلا لیا۔ نواب صاحب ممدوح اس زمانے میں انسپکٹر جنرل رجسٹر اربنگال و بہار تھے۔ باوجود باقاعدہ تیمارداری اور علاج معالجے کے مرحوم شہباز جاں نہ ہو سکے۔ یکایک ان پر فالج گرا۔ ۱۔ اور ۳۰۔ نومبر ۱۹۰۸ء کو مرحوم نے ملک فانی سے ملک باودانی کو کوچ کیا اور کلکتے کے سرکاری قبرستان میں تدفین

ہمیشہ کے لیے سپردِ خاک کر دیے گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

مرحوم شہباز کو فارسی فنِ ادب کا مذاق زیادہ تر مولوی سید محمود آزاد مرحوم کی صحبتِ اراد کی نایاب اور قیمتی پرائیویٹ لائبریری سے حاصل ہوا تھا۔ مرحوم آزاد کو فارسی زبان کے ساتھ ایک خاص قسم کا شغف تھا وہ اپنے زمانے کے بنگالے میں ایک مشہور فارسی شاعر تھے۔ کبھی کبھی اردو میں بھی شاعری کرتے تھے اُن کا ایک فارسی دیوان ہے جس کا دیباچہ انھوں نے مرحوم شہباز سے لکھوایا تھا۔ فارسی کی یہ پہلی علمی نثر تھی جو شہباز کے قلم سے نکلی تھی۔ دیباچے کے بعد انھوں نے دریا پر ایک نظم لکھی جو بہت پسند کی گئی۔

مولوی جمال الدین افغانی ایک مشہور عالم اور محقق تھے۔ جن کی اسپچیں اور مضامین مشہور ہیں۔ شہباز نے اُن سے بہت کچھ استفادہ کیا تھا۔ عربی فنِ ادب کی بعض کتابیں باقاعدہ ان سے پڑھی تھیں۔ مولانا جمال الدین کی اسپچیں اور مضامین ”مقالاتِ جمالیہ“ کے نام سے مرحوم شہباز نے چھپوا دیئے ہیں۔ اس مجموعے کے بعد مرحوم شہباز نے خود اپنی اُن رباعیوں کو طبع کرایا جو طرزِ جدید کی نتیجہ خیز اور فوائدِ بزرِ باعیاں تھیں۔ اس مجموعے کو نواب بہادر مسیح حسن اللہ مرحوم نواب ڈھاکہ نے قدر افزائی فرما کر اپنی جیب خاص سے چھپوا دیا تھا۔ رباعیوں کے بعد اکبر آباد (آگرہ) کے مشہور شاعر میاں نظیر کی سوانحِ عمری چند سال کی مسلسل کوشش اور محنت سے ترتیب دی یہ کتاب اول سے آخر تک مغربی مصنفوں کی طرز پر

تالیف ہوئی ہے۔ اس کے پڑھنے سے مرحوم مصنف کی اعلیٰ انشا پر وازی اور بلند پروازی کا کامل ثبوت ملتا ہے۔ میرے خیال میں اردو لٹریچر اس کی مثال پیش نہیں کر سکتا۔

مرحوم شہباز کے مضامین نثر و نظم اگرچہ ہندوستان کے مختلف اخباروں اور رسالوں میں نکلا کرتے تھے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ وہ اودھ پنچ لکھنؤ کے ممتاز نامہ نگاروں میں تھے۔ اُن کی نامہ نگاری کے زمانے کا اودھ پنچ اُٹھا کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ دُھواں دھار مضامین اور جلیلی نظمیں کیسا اپنا زور دکھا رہی ہیں۔ پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ہندوستانی اخبار لکھنؤ کے اڈیٹر منشی سید سجاد حسین مرحوم اڈیٹر اودھ پنچ اور نامہ نگاران اخبار مذکور کی سوانح عمریاں اور اُن کی اردو کے نمونے گل دستہ پنچ کی پہلی جلد میں شائع کر چکے ہیں۔ پنڈت صاحب موصوف کی قدردانی سے امید کی جاتی ہے کہ مرحوم شہباز کی مختصر لایف اور اُن کے مضامین بھی گل دستہ پنچ کی دوسری جلد میں درج فرمائیں گے۔ کیوں کہ بغیر مضامین شہباز گل دستہ میں شادابی نہیں پیدا ہو سکتی۔

مرحوم شہباز کے ان مختصر حالات کے بعد ضرورت ہے کہ خیالات شہباز کے متعلق بھی چند سطریں لکھی جائیں۔ خیالات شہباز مرحوم کی اُن چند نظموں کا ایک مختصر سا مجموعہ ہے جو اپنے خیالات اور طرزِ ادائیگی بے نظیر اور جوان کی ہزار با نظموں میں سے بطور نمونہ

از خوارے پہلک میں پیش کیا جاتا ہے۔ مرحوم شہباز نے اگر
 قدردانوں میں جنم لیا ہوتا تو آج کسی اکیڈمی میں اُن کا مجسمہ یا کسی کالج
 کے سنٹرل ہال میں اُن کے نام کا کتبہ یا کسی لائبریری میں متعدد
 شہباز شلف رکھے ہوتے مگر وہ ایک ایسی مُردہ قوم میں پیدا
 ہوئے تھے جو کسی کی تازہ یادگار تو کیا قائم کرے گی اپنے برگزیدہ
 اسلاف کی بنی بنائی یادگاریں مٹانے میں ذرا بھی دریغ نہیں
 کرتی۔ ۷

نام نیک رفتگاں صنائع مکن
 تا بماند نام نیکت برتار

شہباز مرحوم کی بمبھلی صاحب زادمی بشری بیگم صاحبہ کو
 خدا جزائے خیر دے کہ جنھوں نے نواب سید محمد صاحب کی
 صلاح اور تائید سے مرحوم کی بہترین یادگار کی پہلی قسط نذرِ ناظرین
 فرمائی۔ دعا ہے کہ یہ سلسلہ اُس وقت تک برابر جاری رہے
 جب تک کہ مرحوم کی کل تصنیف شائع نہ ہو جائے۔

مرحوم شہباز چوں کہ وہی شاعر تھے اس لیے اُن کا کل کلام شائع
 کرنا دوے معلّٰی کی ایک قیمتی اور دائمی امداد ہے۔ اُن کے ہر شعر میں ایک
 لذت اور اُن کی ہر بیت میں ایک خاص قسم کی لطافت ہے۔ فطرت
 نے اُن کی گھٹی میں اس ذوق کو کامل طور پر گھول دیا تھا۔

مرحوم شہباز راقم کے اُن علمی اور مخلص دوستوں میں تھے

جن کی وقعت اور محبت دلوں میں گھر کر لیا کرتی ہے۔ یہ ایک عرصے سے
 تمنا تھی کہ مرحوم کی کسی علمی یا دیگر کی خدمت کا کوئی موقع ملتا۔ الحمد للہ نواب
 سید محمد صاحب کی بدولت میری یہ آرزو پوری ہوئی۔ نواب صاحب
 مدوح اُن واجب التعظیم بزرگوں میں ہیں جن کی نسبت ارشاد ہوا ہے: ”موت
 اہل صفا چہ در در و چہ در قفا“ غرض یہ مختصر تمثیل نواب صاحب موصوف کے
 حکم کی تعمیل اور راقم کی ایک دیرینہ تمنا کا نتیجہ ہوا اور بس۔

راقم

سید افتخار عالم

یکم۔ جنوری ۱۹۱۶ء ماہ ہرہ ضلع ایٹہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد

کیوں نہ ہو میرے پالنے والے
اپنی قدرت کے پاک ظرفوں میں
کیسی الفت کہ دودھ کی دھوئی
خوش نما تربیت کا قرارہ
ناز پروردہ کرنے والوں کو
سر سے معصوم سونے والوں کے
نیزد کے ہلکے ہلکے رگڑوں سے
چھینٹے دے دے کے زیور وں گدی
آنچ اعضا کو کوششوں کی دکھا
منہ کی کھڑکی پہ درج مرجاں سے
موتیوں سے بنا کے اک چمکی
جسم میں ایک دل کے چشمے سے
شش بہت شش کے کارخانے میں

اسے غذا منہ میں ڈالنے والے
دودھ خالص اُبالنے والے
دل میں ماؤں کے ڈالنے والے
بانج جاں میں اُچھالنے والے
گرتے گرتے سنبھالنے والے
آفتیں ساری مٹانے والے
جوہر جاں اُجالنے والے
اک دُھن پھر نکالنے والے
تن کو سا پنچیں ڈھالنے والے
سلک گوہر نکالنے والے
دانوں کو پیس ڈالنے والے
کتنی نمریں نکالنے والے
لعل و یاقوت اُجالنے والے

سبحانہ و تعالیٰ اگر کلیات شہاد میں نہ مٹی لیکن ایک اور طرح بہت ساری باتیں کہ وہ انہیں نہیں لگتیں

انش کیا۔ گردین اطاعت کی چاند سورج نیویں چک سکتے اپنے شہباز کے تھیں ہوشاہ	جن ملک سب ہیں ڈالنے والے ہوتے گر حکم ٹالنے والے دیکھنے والے بھالنے والے
--	---

توسیع

تو ہی اے رب ہر سب کا ہی تو ہی ہر سارے جگ کا مالک تو ہی اب ہی تو ہی جب تھا بچھ ہی کوشا ہی دو نو جگ کی گھر تو ہی باہر بھی تو ہی جس کو چاہے دے تو دولت جل نخل کی آبادی بچھ سے بچھ ہی سے ہی رونق عالم کی جس نے حق کا کچھ گن گایا	تو ہی رب جب اب تب کا ہی تو ہی ہر رگ رگ کا مالک والی وارث ہرنے کس کا تو نے ہی دی دولت جس کو دی سچ تو یہ ہی تو ہی تو ہی جس کو چاہے دے تو غربت غم بچھ سے ہی شادی بچھ سے رواق ہی سب تیرے دم کی سر پر اس کے حق کا سایا
--	---

قصید لغت

جب کہ پیدا ہوئے عرب میں یوں آب یاری شرع سے سیر بھری اس قدر اثر سے دنا	کھل پڑے باغ میں عرب کے پھول ہو دانش کے کل فروع و اصول منہ سے نکلی ادھر ادھر تھی قبول
---	--

رہ زنی چھوڑ کر بنے رہ بر
 داد گستر ہوے جفا پر ور
 دین کی روشنی سے مثل بخوم
 روز ہنگامہ ہمار ہی گرم
 نیک کاروں نے سلطنت پائی
 کہیں جاری خراج کی تحویل
 جس کسی ملک میں تمدن ہو
 خیل کسریٰ کی انقیاد مراد
 نقد و زر کی ہو اس قدر افراط
 انہیں حاصل ہو اقتضا کا فضل
 بھر رہا ہو اُسی کی صیت سے دہر
 پاس ہو صبر کی سپر مضبوط
 دو مسلمان میں گر کہیں بگڑی
 آئی اب لڑکیوں کی جان میں جان
 کون کتنا ہی پھول ہیں یہ زرد
 جتنے اثرات تھے ہوئے ابرار
 ہر سمندر کے درمیان بلند
 کھول دی چشم عقل و دانش نے
 نہیں باقی رہا کوئی نئے مشغل

راہ پر آگئے ہزاروں غول
 علم پر ور ہوئے ظلوم و جہول
 جگمگانے لگے عرب کے عقول
 اٹھ گیا صاف اختلاف فضول
 ہر طرف ہی سعاد توں کا حصول
 کسی جا جز یہ ہو رہا ہو وصول
 مملکت میں عرب کی اس کا شمول
 قوم قیصر کو ا مثال قبول
 خر مسکیں پہ بھی ہر زریں جھول
 کرتے تھے رات دن جو خرچ فضول
 تھا کسی وقت میں جو کچھ جنول
 اب تو نئے کار ہی بلا کا نزول
 صلح نے آن کر بٹھا دی چول
 گئیں پچھلی مصیبتیں سب بھول
 اثرنی سے لہے ہوئے ہیں ببول
 جتنے مردود تھے ہوئے مقبول
 ہی عرب کے جہاز کا مستول
 آگئے ہم کو سب نظر مجھول
 اچھے کاموں میں ہیں بھی مشغول

دے رہا ہے مکانِ مسجد میں
 کر رہا ہے بڑے سلیقے سے
 کوئی میدانِ حرب و ضربت میں
 کر رہا ہے کوئی تجارت میں
 ہارسوں کا بھی گرم ہے بازار
 کام کوئی نہ کوئی لے بیٹھا
 کہیں تحصیلِ علم ہی منظور
 کسی چنگی کو یہ ملی افسیر
 عمل و علم کی بجالی سے
 شہر انے کبھی رمزِ حکمت سے
 قول کو فعل سے کیا مربوط
 ان کے اشارہ پڑھ کے جیت گئے
 علم ابداء کو بھی ہوئی رونق
 گئے اپنی زبان میں بتلانے
 بعض کے منصب لگے ہونے
 تن و رستی کا انتظام ہوا
 انبیاء کے شمار میں آئے
 بچھ گئی صاف شمع ششاسی

اک ریاضت کے سلسلے کو طول
 کوئی منبر پہ نصب دیں کے اصول
 سیف ہی پھر وہ سیف بھی مسلول
 نقدِ ہمت دُکاں دُکاں مندول
 کہیں معقول ہی کہیں منقول
 جیسی فطرت پہ جو ہوا مجبول
 کہیں ایصالِ نفع ہی معمول
 کہنیا ہی ہر ایک چٹکی دھول
 کاہلی آپ ہو گئی معزول
 کیا اپنے کلام کو مقبول
 صدقِ گفتار کر لیا معمول
 صدق سے جن کو ہو گیا تھا ذہول
 چھڑ گیا قصہ نطول و حمل
 اپنی تاثیر آپ پھل اور پھول
 انتفاع - انخفافِ عرض اور طول
 ہر جگہ حسب اختلافِ فنول
 ہو رہے تھے مریض جو نہول
 جب جلی پیشِ عقل بادِ افول

۱۵ فراغِ محفل کرنا۔

۱۶ کوئی ہوئی تلوار ۱۷ ۱۵ مجبور۔

۱۸ شمعِ مہمانِ خارجی ۱۹ بلند شدن حرکتِ رگ ۲۰ بست شدن حرکتِ نبض ۲۱ شہ آفتاب

۲۲ شہ ۲۳ شہ ۲۴ شہ ۲۵ شہ ۲۶ شہ ۲۷ شہ ۲۸ شہ ۲۹ شہ ۳۰ شہ ۳۱ شہ ۳۲ شہ ۳۳ شہ ۳۴ شہ ۳۵ شہ ۳۶ شہ ۳۷ شہ ۳۸ شہ ۳۹ شہ ۴۰ شہ ۴۱ شہ ۴۲ شہ ۴۳ شہ ۴۴ شہ ۴۵ شہ ۴۶ شہ ۴۷ شہ ۴۸ شہ ۴۹ شہ ۵۰ شہ ۵۱ شہ ۵۲ شہ ۵۳ شہ ۵۴ شہ ۵۵ شہ ۵۶ شہ ۵۷ شہ ۵۸ شہ ۵۹ شہ ۶۰ شہ ۶۱ شہ ۶۲ شہ ۶۳ شہ ۶۴ شہ ۶۵ شہ ۶۶ شہ ۶۷ شہ ۶۸ شہ ۶۹ شہ ۷۰ شہ ۷۱ شہ ۷۲ شہ ۷۳ شہ ۷۴ شہ ۷۵ شہ ۷۶ شہ ۷۷ شہ ۷۸ شہ ۷۹ شہ ۸۰ شہ ۸۱ شہ ۸۲ شہ ۸۳ شہ ۸۴ شہ ۸۵ شہ ۸۶ شہ ۸۷ شہ ۸۸ شہ ۸۹ شہ ۹۰ شہ ۹۱ شہ ۹۲ شہ ۹۳ شہ ۹۴ شہ ۹۵ شہ ۹۶ شہ ۹۷ شہ ۹۸ شہ ۹۹ شہ ۱۰۰ شہ

۱ فلا بتصروں کے چھینٹوں نے جس بشر کی یہ ساری ہیں برکات سلمو سلمو علی احمد	کھول دی غافلوں کی چشم عقول اُس پر رکھو درود کا معمول لتم صلوا علی مزار رسول
---	---



نر۔ یہ صد ابھی رکعتی ہو کیا سحر کا اثر دھوپیں مچی ہوئی ہیں تری ہی یہ دیں دیں باز اریں گئے تو وہاں بھی ہی تیری یاد ہر کُل معاملات میں تو ہی چھپا ہوا پر دیں اپنا دیں ہو اپنا نہیں جو تو افلاس تیرے دل سے اترتا ہی الامال! صدقے میں تیرے۔ دل سے مخاطب ہو بہ متن ہر لحظہ تو چکھاتا ہی ہر قسم کے مزے چکھتے ہیں سیب تجھ ہی سے سوڈاں کی ہیں تیرے لذیذ نعیموں سے بھرتا نہیں ہو جی تیری صراحیوں سے پیا جس نے آبِ سرور خوبی کو تیری چاہیے کیا قید اکمنہ پھیل جگتی ہے یہ ضیا قصرِ غلد کی	قائمِ جہان کا ہی تجھی سے طلسمِ زر ڈنکا بجا ہوا ہی ترا ہی نگر۔ نگر تیرا ہی ذکرِ خیر ہواں سے جو آئے گھر سارے معاملات میں تو ہی ہر ستر حاضر اگر ہو تو۔ تو سفر ہی بنا حضر ادبِ تیری نظروں سے گرتا ہی الحذر! ایما سے تیرے جان سے عاشق ہو سیم بر ہر وقت تو کھلاتا ہی ہر ملک کے شمر کھاتے ہیں آم تجھ ہی سے لندن میں بیٹھ کر کھاتے ہی کھاتے پیٹ بھی جائے نہ نیل پھر تشنہ تھا وہ اگر تو میو اپنی کے تشنہ تر کانوں میں تو ہو خوب مکانوں میں خوب تر چھایا تجھی سے ہی یہ سال تاج گنج پر
--	---

تیرے خدمت سے نکلی بیڑہ موتی سجائیں
 بڑھتے ہیں تیرے راک پر مردان کینہ خواہ
 آتی ہیں تیرے ٹیٹوں میں فوجیں سٹ سٹ
 شمشیر برق سے بھی نہیں اس کو کچھ ہراس
 خوش خلق تیرے قدم سے مشہور کج نہاد
 تیرے ہمارے بہتی ہیں جھیلیں جہاں تہاں
 جھیلیں ہیں تجھ سے برق فلک سخن دہیں
 ایٹم بولیں فتح ہو چھوٹنی ہو ہی تری
 تیرے منگائے آتی ہو گھر میں ہر گھڑی
 لاکھوں درن کا گرچہ ہی دفتر ہوا کرے
 کاتب تو اس کو برسوں ہی بیٹھے لکھائیں
 درمختار کی جہیں پہنیں فطرۂ عرف
 مصری کے ہر سوکے میں بھری ہوئی ٹھاس
 باغوں میں تیرے پھول کھلائے ہیں جا بجا
 خوش بو تری ہو طبلۂ عطار میں بھری
 تو مشک - تو سماک - تو چمپا - تو موتیا
 تیرے ہی پچھچھچھ جو کھاتے ہیں اپنے ہاتھ
 ٹھکتے ہیں ٹھک تری ہی تنہا میں خلق کو
 اس دل ریا کسل میں بھی ہو تیرے غم سے چھید
 ہر ایک کل میت سے ہی پڑے ہیں کام کے
 نہیں واری کہیے جانی تیرگی کی جو ٹھمراں

چھتے ہیں سیپیوں میں گہر جن کو دیکھ کر
 چڑھتی ہیں تیری تاک میں فوجیں غنیم پر
 ہوتے ہیں تیرے رعبے لشکر تتر بتر
 جس کی بلائے ٹالنے کو تو بنے سپر
 کج خلق تیری مہر سے مشہور خوش سیر
 تیرے چلائے چلتی ہیں نادیں جدھر ندھر
 نادیں ہیں تجھ سے شعلہ فشاں سطح آب پر
 ریلوں میں تری ڈالی ہوئی جہاں ہو جلوه گر
 لاکھوں کڑوڑوں کو اس کی اک آن میں خبر
 ہوتا ہو تیرے حکم سے دم بھر میں مشتہر
 فارغ تو ایک آن میں ہو چھاپ چھوپ کر
 تیرے نثار کو یہ سٹ آئے ہیں گہر
 گئے کی ہر گرہ میں بندھی ہو تری شکر
 پڑوں میں پھل یہ تو نے لگائے ہیں سرسبز
 نکلت تری ہو جس سے ہیں سبکے دماغ تر
 تو سیوٹی تو کیوڑا تو عود تو اگر
 تیرے ہی مارے ڈاکو بھی کھوتے ہیں اپنا سر
 رہ زن تری امید پہ روکے ہیں رہ گزر
 غمزدہ چھیدتی ہو جو سب کے دل و جگر
 کاری گری گجھی سے ہی اس درجہ کار گر
 تھاپیں غم زور زور پڑتی ہیں طبلے پر

لالن یہ لے رہی ہے بلایں تری کھڑی
 دھن ناکھن نہیں ہے تری تاک تری چون
 دیو او مالکوس کہے "مال" حسب خواہ
 ڈر ڈر ڈر ڈر نہیں بچتا ستاریں
 پیتے ہیں جتنے دھوبی ہیں دھو دھو کیتے پاؤں
 بڑھیا جو بیٹھی کاتتی چرخا ہر رات دن
 بھانڈا اپنے باپ ماں کو جو دیتے ہیں گالیاں
 مسجد میں تو امام ہے منبر پر تو خطیب
 ہے جزر و مد میں دین کے تیرا ہی جزر و مد
 جاہل ہے تیرے درس سے بونصر سے سوا
 قطعے جو خوش نویس یہ لکھتے ہیں گانٹھ گانٹھ
 حلقہ بگوش تیرے دوائر ہیں حرف کے
 ملا جو صرف و نحو میں کرتا ہے عمر صرف
 سمجھا یا منطق نے ہی یہ محکو کلیہ
 سلب طمع سے گرچہ ہو دل مثل آئینہ
 تیری گلی کا ایک مٹوس ہے چرخ پیر
 فارغ نہیں کبھی تیری خواہش سے صد بدر
 خمس و زکوٰۃ و جزئیہ و صدقہ تو لفظ ہیں
 واعظ انھیں زبان زدہ لفظوں کی آڑ میں
 کس کا خدا کہاں کا رسول۔ اُس کی آنکھ میں
 ایمان کی جو پوچھو تو شہباز کے بقول

ہیں بھروسے خالق میں تیرے وہ نوحہ گر
 سرگرم یہ وہیاں غم میں تیرے ایک وقفہ سر
 روک کہے "روپڑی انھیں دیو او پیٹ بھر
 مطرب کی ہے زبان سے زر زر زر زر
 حجام مد نوس کے منڈائے ہیں تجھ پہ سر
 چرخے کی آڑ میں ہے نظرس کی مال پر
 تیرے ہی ہیں گھرانے کے یہ ناخلف پسر
 ہے صدر انجمن میں۔ تو جلسوں میں لکچر
 دنیا کے رفع و جر میں ہے تیرا ہی رفع و جر
 عالم ترے بغیر ہی بو جہل سے بتر
 کرتے ہیں بیٹھے نام تراشش عمر بھر
 سکھ جا ہوا ہے ترا لفظ لفظ پر
 ہے سارے صرف عمر سے مقصود نخور
 خالی طمع سے زر کے نہیں ایک بھی بشر
 اس میں بھی عکس زر کا ضرور آئے گا نظر
 کھوٹی سی اشرفی جو دکھاتا ہے ہر سحر
 خالی نہیں ہے داغ سے تیرے دل قمر
 معنی ہر ایک لفظ میں آیا تو ہی نظر
 تیرا شکار کرتا ہے منبر پر بیٹھ کر
 تو ہی خدا ہے۔ بلکہ خدا سے بزرگ تر
 مرتے ہیں تجھ پہ ہم بھی ولیکن نہ اس قدر

ہر چند تو خدا تو نہیں پر خدا گواہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مِساوِک

بچوں پتا کچھ نہیں بیکڑکوں میں خاک ہو
آئینہ گر ہوں۔ تو ہوں جباری ہوئی میں ستیں
پاک باطن شیخ کا ہونا ہر نہ مجھ سے ہی پاک
نہد کی دستار لے پانی جو مجھ سے آب رو
پاؤں ہوں کو جواب اکثر دیے دنیاں شکن
ہر جا پڑھتے ہیں کہ کلمہ مرا خدام دیں
مُنہ میں چٹنے نہ ہوں انکی خاطر فادہ بہر
سرسو کو تیرا ہر میں مہر دی کے رحم
جھکاؤ جس کی دامن رکھتی ہر لحظہ داس
چہ نہیں کہہ سکتے ہیں مجھ پر دانت
مُنہ میں کہہ سکتے ہیں جو ہر منتظم
نقش کی ہیں کہیں سدا پر نام صفا
نہیں میں چٹنے دھڑلے چلتی ہوں بھیجا نکالیں
نور کا ہر میں ہر چند ہر بالشت بھر
گرچہ ہوں عورت میں فضل دہن کی اک کلید
یہ باب ہر کوئی ہر ماٹ میں میرا چلن
پھولتے پھلتے ہیں مجھ سے منفعت کے شاخ و برگ

لو چھتے ہوں۔ تو کچھ آب ہوں کچھ خاک ہوں
گر گیا ہوں۔ تو مقرر ارض تم سے چاک ہوں
اب نہیں بتلاؤ میں ناپاک ہوں یا پاک ہوں
فی الحقیقہ چہ لغوی کے اوپر ناک ہوں
گفتگوئے امر حق میں اس قدر بے باک ہوں
خدمتوں سے اپنی مدد ورح نہ لو لاک ہوں
دانت میں میں چٹنے سم۔ اُنکے لیے نریاک ہوں
گر کسی صاحب نظر کی آنکھ میں میں تاک ہوں
راگنی ہیلو کی ہوں میں۔ اس لیے ٹٹناک ہوں
میں تو کوئے میں پڑی ٹٹناک خفاک ہوں
اس جو اُٹھنے میں میں انشرف الاسلاک ہوں
جو ہر پاکیزگی سے پُر ہر حکاک ہوں
میں سے پڑھ کے اک اثر در ضحاک ہوں
سر بلند می سے پہنچتی تا سرا فلاک ہوں
پھر بھی دانتوں کی حفاظت کو چین لاک ہوں
جوگ کی تربیت ہوں سنبلیاس کی میرا ک ہوں
بنک میں لغوی کے میں اک تانہ تراٹاک ہوں

میں نہ مس بابا۔ نہ ہوں شہباز۔ جاتی واک کو
پھر یہ کس ترکیب افواہ میں مسواک ہوں

طرک

زینتِ خاں کسارتی۔ مراتب میں فلک میں ہوں
ہاں جاتی ہوں کھٹکے ہو جنگل یا کہ ویرانہ
پھاڑوں کے جلگہ میں راہ کی ہر میں نے حکمت سے
پھاڑوں کے چرچے میں۔ دل میں یکے در آئی ہوں
مرکب و نول ف مجھے لڑے ہیں تار برقی کے
ہزاروں سن کی گاڑی جبکہ مجھ پرستے گزرتی ہو
ہزاروں گھڑے ہاتھی رات دن جھکو کھنڈتے ہیں
دلوں کے لیے ہیں دریں سب سر کھٹکے
بتوہی جھنجھٹے سن ہیں چور اچلے بچے جلتے ہیں
کسی ہر زنج اٹھائے کٹاک کیونکہ اٹاک جاے
لگا رکھا ہی میری خاک کے آنکھوں میں وہ نمزمہ
شب تاریک میں گرمزل مقصود ہاتھی ہو
شہزادیک جب منزل کو زلفوں میں چھپاتی ہو
سفر کی رات کی زلفِ دوتا کی مانگ سیدھی ہوں
دُخانِ مشکٹے حاملِ غبارِ رد سے ہر مجھ کو
جہاں نخلِ قناری کی ستاری چھیری جاتی ہو

تواضع کی جھکات چاند سوچ کی جھک میں ہوں
بڑے مضبوط دل کی ہوں بندر ہنکے دھڑک میں ہوں
جلیسوں کے لئے درج دے بے شک میں ہوں
نہنگے خرم دل کے خواص شترک میں ہوں
خبر کے پانوں میں لحظہ بجلی کی لپک میں ہوں
دھڑک بجلی کی ہوں سوختِ بادل کی کڑک میں ہوں
پڑی رام سے پسو بھی لیکن آجنگ میں ہوں
گواک ہو سکے دل میں کانٹے کی کھائیں ہوں
جوانی آنکھ میں سیکھتے ہوں۔ مانگی نرک میں ہوں
کہ پھیلی امن کی صورت اہستہ تاکناک میں ہوں
کہ اندھے معنی بہکلیں استے سے جب تاک میں ہوں
مسافر ہو مہاوت۔ ہاتھیں اس کے جاک میں ہوں
فلکِ راستی کے کشاں کی کسی چمک میں ہوں
کہ میں منزل مقصود کی ہاری پاک میں ہوں
اگر فرشِ زمین کو سست مہنت میں کیوں ہوں
سُہانی میڈ ہوں۔ ہزاروں ہاری ملک میں ہوں

کیجا کوئی مجھ سے دامن افشانی کا کیا دعویٰ نہیں کرتی ہر خواہش دل میں اصلاً کوئی نفسانی	کنارے جو ہوا میں ہر سے دامن چنگ میں ہوں غدا جانے والی ہوں یہاں ہی ہوں سیلک میں ہوں
کمال جاننا ہر شہباز اسطوت ہو مگر ہی پھسلی ادھر آ رہے فانی کو تیری سیدھی شرک میں ہوں	

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات

چلتی ہوئی بالیکل

<p>کسی صبح کو عشرت آباد میں جلو میں جم سلور - خواہی میں مکمل سرکنتی ہوئی - سرسراتی ہوئی کہیں کو ندی اور لپکتی ہوئی کہیں سیہ میں طے کر تے ہوئی نزدک سے پڑھتی اترتی ہوئی ہجوموں میں پلتی - سمانی ہوئی کہیں ملنے ملتے جھجھکتی ہوئی کہیں غامضی گھر ڈور کرتی ہوئی کہیں بل کے منہ پہ چڑھتی ہوئی کہیں چشموں کو بڑھاتی ہوئی طبیعت کو تائید دیتی ہوئی</p>	<p>سر اپا بسی عطر ایجاد میں خوش اسلوب سے چلی بائی سکل چلتی ہوئی تھر تھراتی ہوئی کہیں ناچتی اور تھرتھرتی ہوئی کہیں اور چڑھ کے اڑتی ہوئی اُترتے ہیں سو گل کرتی ہوئی ہر آفت سے بچتی بچسباتی ہوئی کہیں چلتے چلتے اُچکتی ہوئی کہیں جیت سے جیب بھرتی ہوئی کہیں میل سے آگے بڑھتی ہوئی کہیں سستوں کو اڑاتی ہوئی ہر اک غصہ سے کام لیتی ہوئی</p>
--	--

لہو کو رگوں میں پھراتی ہوئی ہاتھوں میں ٹھنڈی چلاتی ہوئی جھلکتی ہوئی جھللاتی ہوئی پرستار کے جلوے دکھاتی ہوئی ترانے کسی بن میں بھرتی ہوئی کہیں شہم کی طرح پھرتی ہوئی کہیں جان کے رکتی اُٹکتی ہوئی زمیں سے چھٹی لپٹتی ہوئی کہیں گئے گئے سنبھلتی ہوئی چھٹتی - ڈپٹتی - رہتی ہوئی بُلجھ کر کہیں پھر اُبھرتی ہوئی خوش آئند منہ سے جھڑکتی ہوئی	پسینوں کے موتی لٹاتی ہوئی طبیعت کے غنچے کھلاتی ہوئی چمکتی ہوئی جگمگاتی ہوئی حسینوں کو پریاں بناتی ہوئی اُچھلتی ہوئی جست کتی ہوئی کہیں برق کی طرح گرتی ہوئی کسی جا چمکتی مشکتی ہوئی ہوا میں الٹی پلٹتی ہوئی کہیں رکتے رکتے ٹکلتی ہوئی گھسٹتی - پھسلتی - اُچھتی ہوئی اُلجھ کر کہیں پھر سلجھتی ہوئی پیٹم لونڈر چھڑکتی ہوئی
بہت ہو چکی برق سے لوک جھوک بس اب بالکل اپنی شہباز روک	
حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات پانی	
زباں داغ و سنویری زبانی اوہرا آدمی اوہرا آدمی وہ جہنگ	یہ اپنی آپ بیتی ہو کہانی اندھیری رات کی غمزنشانی

ستارے تھے فلک پر جگمگاتے
 تھا عالم ہو کا۔ سنا۔ تھا چھایا
 پڑا تھا پاؤں پھیلا رکھے میں
 نہ پرست کا بلندی پتھاروں اج
 نہ پیڑوں کی بسی بھی اُس پر چبا
 لن ووق تھا یہاں تان سا کٹ
 بنا تھا دشت بچھ سے تختہ سیم
 مے خضے میں تھے سانوں ہی کشور
 چلی اتنے میں باد صبح گاہی
 ہوا سے کر رہا تھا جبکہ باتیں
 بندھے پتے سے میرے درخشاں آب
 الوپ اجن لگا کر اڑ گیا میں
 ہوا چاروں طرف کی کھاکے میں نے
 سیماں کی طرح تھا تخت میرا
 بدلتا دوش پر تھا طلساں رنگ
 ابھی پہنچے ہوئے تھا منہ پوشاک
 ہوا جب نے بُل بُل کا جینہ
 بچھایا بجلیوں کے تخت طاؤس
 بندھا تھا موٹیوں کا سر سے سرہ
 زیر سے آسمان تک تھی کمر پاش
 زمین پر چلے موتی کے دریا

فلک پہنچے تھا جوڑ آسمانی
 چلی آتی تھیں آوازیں ڈرائی
 دکھاتا تھا طبیعت کی روانی
 نہ چوٹی کی بنی تھی راج دھانی
 نہ جاگی تھی ابھی فطرت کی رانی
 میں ہی میں تھا نہ تھا والے کی تانی
 مے خضے میں تھی گو ہر فشاں
 یہ مجھ کو یاد تھی کشورستانی
 جل جس سے ہوا بے بوستانی
 ہوئی کر نوں کی مجھ پر مہربانی
 ننکی دامن سے بے زرفشانی
 گھڑوں مجھ سے پڑا گلوں پر پانی
 تنے جینہ یہ اپنے دل میں ٹھانی
 ہو کے ہاتھ میں جسکی روانی
 گلابی چمپہی۔ باد امی۔ دھانی
 ابھی پھر ہو گئی وہ آسمانی
 لگی دینے یہ سقف آسمانی
 دکھائی شان میں نے شہ جہانی
 علن پر ہر لڑی کی حلم رانی
 مے منج پر یہ زمین کی نشانی
 گیا پھر آب پر موتی کی پانی

نہا دھو کر اسی دریا میں جھٹ پٹ
 کھلیں باچھیں چنبیلی موتیا کی
 بچھایا دشت میں سبزے نے محل
 چڑھیں انگور کی ٹٹی پہ بیلین
 بڑھے بنت العنب کی تاک میں شیخ
 طرب کے جام کے چلنے لگے دور
 تھیں تنہی چھتیاں سب لہلہا میں
 مجھی سے بالیاں کپھوں کی پُر زور
 مجھی سے لب پہ بھٹوں کے بسم
 مجھی سے ہر پھلی تھی سبجہ دردست
 مجھی سے تھی اناروں کو میسر
 مجھی سے تھی زبان نیشکر کو
 اُرائے میں نے جب سونے کے جگنو
 ہوا پہ پڑ رشک طرہ سینا
 درختوں پر تو تھا بوجوں کا عالم
 مجھی سے اب ہمالہ ہی شہنشاہ
 لگی ہو برت کی جھیں کہ چاندی
 ضیا پاشی پہ جسکی رعد کو ہو
 مجھی سے ہیں یہ گنگا جمنی لہریں
 ہیں چھلکانی ہوئی میری ہی جھیلیں
 سمندر سات ہیں سائوں کو لیکن

نہیں نے بریں کی پوشاک دھانی
 ہوئے بُترے گلوں کے ارغوانی
 پہن کر آئی جو ہی جامہ انی
 بھرا سر میں حصار نو جوانی
 سب اپنی طاق پر رکھ سبجہ غوانی
 لگی ڈھلنے شراب ارغوانی
 پڑا جس طرح سوکھے دھانوں پانی
 مجھی سے دھان کی پوشاک دھانی
 مجھی سے خد بزوں کی تر زبانی
 مجھی سے تھی مٹر کی سبجہ غوانی
 وہ شیریں کاری و خندہ دھانی
 گرہ کے ساتھ بھی شکر فشانی
 تو لپٹی ہر شجر سے کامدانی
 تجلی دم میں - دم میں لن ترانی
 بنوں میں تھا طلسم آسمانی
 مجھی سے سر پہ وہ تاج کیانی
 جڑے ہیں نور کے لعل بیانی
 سدا قوس و قزح کی خوش کمانی
 مجھی سے ہی یہ چشموں میں روانی
 بہت مشکل ہی جن کی تھساہ پانی
 مری تسلیم ہو صاحب قرانی

بھنور کا ڈالکر کانوں میں حلقہ
 عدن میں میں نے بنکر ابرنیاں
 اسی پانی سے سپی نے بنایا
 صدف کی حُسن بانو کی بدولت
 مری پانی ہوئی ہر ویل محسلی
 تہ اک آن میں ہو جائیں جس سے
 اسی کی روشنی ہر انجن میں
 وہ میری گائے ہو جسکی بدولت
 گئے آہو غنم کے چوڑی بھول
 ہرن کی ہر گ وڈی میں بھی ہوں
 میں جتنے مبتلائے تشنہ کامی
 حسینوں کی جبین پر عسرق پر
 جوانوں کی رگوں میں خون بن کر
 ہو ریشوں میں رگوں کی مجھ سے ہستی
 کبھی ہوں ڈوڈبائی آنکھ سے میں
 کبھی ہوں سرخ روئی کی لہکے سے
 میں ہی فی الاصل وہ آب دہن ہوں
 جو دیکھے آدمی اپنی حقیقت
 سن الما خلقت کل شئی
 نصیحت اس سے یہ میں نے نکالی
 مجھی سے دوستوں میں رسم الفت

اطاعت سب نے میری فرض پانی
 پلایا تشنہ لب سپی کو پانی
 وہ موتی جسکا نام سکن ہو ثانی
 ہوئی لقصیدت حاتم کی کسان
 حکایت جسکی ہر سب کو زبان
 جہاں باد بانی و دُخانی
 اسی سے شمع کی آتش زبانی
 ہوئی ہر بزم میں عبث نشان
 خطا - تانا را سب نے - چین مانی
 نہ ہیں میں تو ہر مشکل زندگانی
 مرے چٹھے سے سب پیتے ہیں پانی
 مرے ہی دُرج سے ہر دُرفشان
 بڑھاتا ہوں میں ہی زور جوانی
 رگوں میں ہر مری ریشہ دوانی
 غریبوں میں یتیمی کی نشان
 امیروں میں دلیل کامرانی
 ہر جس سے وصل کی شیریں دہانی
 نہیں وہ بھی مگر اک بوند پانی
 حقیقت میں ہر وحی آسانی
 کہ سب کی آب پر ہر زندگانی
 مجھی سے دشمنوں میں چھیڑ غانی

مجھی سے طویلوں میں خوش نوائی
 مجھی سے گلبنوں میں شہد ریزی
 ادیبوں میں مجھی سے رسم آداب
 مجھی سے میوہ شایخ فصاحت
 پرندے اور چرندے اور درندے
 میں ہی موسیٰ کے چشموں میں عرصا
 میں ہی ساتی کو فر کے کرم سے
 کلیم اللہ کو میری بہ دولت
 ولی ہو - قطب ہو - یا ہو پیہر
 زمان ہوا لبشر سے لے کے تاحال
 رگوں میں میں پیہر کی بھی دوڑا
 عرب ہر چہند ماکہر پکارے
 نہیں جل عز وجل کی ہو وہ تخفیف
 ولایت میں ہوں موتی کی سی میرا ب
 سمھتا آب و رو تھا جھکو زردشت
 ہیں جتنے دیوتا سب میرے پیارے
 الٹ کر شاستر کو بھی جو دیکھو
 کنول جس سے کہ نکلے تھے ہما دیو
 کبھی فارول میں اک جاجم کے بیٹھا
 چلا جاتا ہوں کوسوں پا کے موقع
 اچھلتا کودتا - گاتا بجاتا

مجھی سے بلبلوں میں نغمہ خوانی
 مجھی سے نخل میں شکر فشانی
 خطیبوں میں مجھی سے خوش بیانی
 مجھی سے شیوہ شیواز بانی
 سبھی ہیں میرے زیر حکمرانی
 بنا تھا لطف و رحمت کی نشانی
 بھر و نگا حوض میں کوثر کے پانی
 ملی دادی ایمین کی شبانی
 ہو جاں بخشی میں یا عیساے ثانی
 سبھی نے کی ہو میری قدر دانی
 میری ہی - ہر جگہ ریشہ دوانی
 ہو اسے بڑھکے میری مہربانی
 جلالت ہو مری ہندو نے مانی
 زعمد پیش دادی و کیانی
 وہ گو آتش پستی کا تھا بانی
 بتوں کے ہونٹ پر میری کہانی
 تو پہلے ہو کھسا میری بھانی
 مجھی وضع میں تھا پر نیانی
 کبھی ملکوں کی میں نے خاک چھانی
 دکھاتا زندگانی کی روانی
 محسوس شور - کرتا نوحہ خوانی

<p>دخانی کوئی۔ کوئی باد بانی کسی پر پھردوں طوفان سے پانی ہوئی ہر ملک میں سستی گرائی میرے دشن کو دوڑیں گیانی دھیانی لگی دل کی بجھائے سرد پانی بنے شربت شراب ارغوانی بھروں مصری میں اولوں کے معانی میری غفلت میں آب زندگانی</p>	<p>جلو میں ہیں جہازوں کے رواں شہر کسی کو امن کے ساحل پہ پھینکوں تجارت میں پڑی ہی جان مجھ سے میرے تیرتھ کو بھاگیں جوگی بھوگی دکھائے سرد مہری گرم جو شہی بجھا دوں آتش سیال کی آگ جہادوں جیٹھ میں کھیرے کی قفل مری سبزی میں رونق بخشی خضر</p>
---	--

عجب کیا خضر کے منہ سے ہوا رشاد
کہ ہر یہ نظم "آب زندگانی"

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات جیبی گھڑی

<p>جس پر نقار ہوئے کو سونے کی ہڑی منہ چوم کر شعاع خوشی سے اچھل پڑی چھٹ جانی تو ضیاء سے خوش آنید پھل پڑی زاہد کے دل میں جس سے کہ پیدا ہو ہڑ پڑی چھوٹی ہیں دیکھنے میں مگر کام میں بڑی پلکوں نے جن کے ہاتھ میں ہے رکھی ہڑ پڑی</p>	<p>آج آکے میری جیب میں وہ چہ ہڑ پڑی چہرے پہ اس کے صاف ہی بلور کی چہک جس دم شعاع مہر سے ہوتی ہی یہ دو چہار پاکیزہ خط و خال ہیں اس جہ دل فریب آنکھیں نہ رگس ہیں بیک نہ گس بھی تک رہے پھرتی ہیں فوط ہوش سے دل است تلیاں</p>
--	--

مُنہ میں قلم کی طرح ہے اس کے بھی دوزباں
 اُلٹی یہ بات ہے کہ یہ رکھتی ہے ایک کان
 ہر وقت یعنی اس کو اطاعت کا ہے خیال
 اغوا سے کسی کے لیے پہرے بھگ جائے
 پردہ نشیں ہے اس لیے پردے کا ہے خیال
 جتنے ہیں گُن ہیں بی بی اس کے بھرے ہوئے
 کھائی ہیں چرخ غورنے لاکھوں ہی گشتیں
 تریاق اس کے منہ میں ہے صانع نے بھجویا
 آب حیات اُس سے اُبلتا ہے رات دن
 ڈالی ہے جس نے چول سے ہیر کی اس میں جان
 نو سے کسی طرح نہیں کم اس میں چرخ بند
 نوسات جتنے چرخ ہیں دُش میں ہے ہر ایک
 افضل ہے مہر و ماہ سے انجم سے ہے سوا
 لوہے سے کس طرح ہے بنائی یہ کیمیا
 سوئے کا گھر نہیں ہے یہ مجلس ہے زرنگار
 کہ وقت بھاگنے کا کہے قصد قید سے
 وہ زندہ دل کہ کوئی غفلت سے اوجھ جائے
 غفلت کھڑی ہوئے اس کے مجال کیا
 جس کے حضور بھاگے کہ و مال یہ بیاں

دونوں قلم ہوں گے بھی گن جائیں اک گھڑی
 حلقے کے ساتھ کان میں زنجیر ہے پڑی
 خدمت کو اٹھیں پہرے اک پاؤں پر کھڑی
 منگو اور اس کو ہاتھ میں ڈلو اسکے ہتھکڑی
 زریں نقاب جال کے اوپر سے ہے پڑی
 احشا نہیں گنوں نے پڑی ہے اک لڑی
 جب کے اس کے جسم میں یہ جان ہے پڑی
 ماسے ہوئے جو کھنڈی ہے اک نالکنی پڑی
 گویا ہے اس کے ہاتھ میں لقمان کی جڑی
 پنوا دو اس کو کان سے ہیر کی اک پھڑی
 حکمت کی چرخ چرخ میں اک کیل ہے جڑی
 گویا ہر ایک چرخ پہ ایک بھیڑ ہے پڑی
 ہر وقت رہتا ہے یہ بدلی ہو یا جھڑی
 صانع نے اس میں ڈالی ہے کیا جانے کی جڑی
 ہے قید وقت پاؤں میں زنجیر ہے پڑی
 دار و غم ضبط وقت کا دے ڈال ہتھکڑی
 جہتول اک جاہی تو ہے تان کر تر پڑی
 دھم سے زیر آتی ہے کھائے وہ چڑی
 وہ لہی کہے کہ جھوٹ ہے سبھی کی ہے کھڑی

شہباز گرچہ ہی یہ پہلی کھسلی کھسلی
بوجھے گا پھر بھی جو کوئی پائے گا اک گھڑی

حضرت شہباز کے اچھوتے خیالات قانونی پیسے

جاتے ہیں قانون کی سننے کو لکچر کچھ جہاں
ہونگے کم اس طرح کے قانون جنہاں قانون دال
تیغ غمزہ سے ہی والوں کی شہادت کا بیان
قید تنہائی کا ٹکڑہ ہو انھیں یاں برزباں
یاں ہی بکر فکر کو کچھ اور ازلے کا گماں
چھڑ گئی ہو یاں کسی کافر کی نیکیں استاں
پڑھ رہا ہو دوسرا ناول کوئی لذت نشاں
چوتھے صاحب دیکھتے ہیں نقشہ ہندوستان
اور چھٹے صفا ہیں پیچھے کر رہے خوش فعلیاں
آٹھواں سننے ہنسانے میں ہے کشت زعفران
دسویں صاحب بے رہے ہیں لکچر کو گالیاں
لکچر کا ہر فضول اس حال میں حسن بیاں
چہرے ہیں گھر میں بیٹھے جن کو ہی اس سے اماں

آٹھ سارے آٹھ بختے یہ جو کالج کی طرف
اُن کی بانیں مریچا بست الیس اُن کی غریب
کر رہا ہے شرح قانون شہادت لکچر
ہو کھلا وال سیر قانون تعزیرات ہند
وال ہو عرفی حیثیت اُس کا الزام زیر بحث
ہو رہی ہے بحث وال اسلام کے قانون کی
دیجنا ہو اک گزٹ میں دائیڈ کے اشتہار
تیسرے صاحب کے آگے ٹائم ٹیبل ہو کھلی
پانچویں صاحب جملے ہیں نظر دیوار پر
ہیئت ارب شیطن میں ساتویں الیس وقت
باتیں میں میں خوش تصویریں لوں صاحب لئے
ایک دو کو چھوڑ لیوں ہی سب وقف فضول
نارے باز دے آتے ہیں ہو چلو پرستش کا ڈر

ہیں قانونی پیسے بولتے ہیں ”ہنی کہاں“

حاضری کی ”ہنی“ کی ہوان کو جیڑ میں تلاش

حاضری اس طرح کی شہباز کب ہو شرط عقل
یونینسٹی میں گوٹری ہو شرط امتحاں

مولنا شہباز کا جھوٹا

خزاں رخصت ہوئی آئیں بہا میں
ہوا میں حُسن کے گلزار پھولے
خانی اُنکلیاں وہ گوسی گوری
وہ پائے صندلیں صندل کا ٹرا
خوشی دل میں اُننگوں سے اُچکتی
مڑوں کی پیاری پیاری دل میں آہا
وہ دہشت دودھ کی دھوئی ہوئی سی
دکھتی دمبدم منہ پر خوشی سی
نہیں ٹھہری ہوئی وہ نکلی جاتی
ہوا کی طرح خوش رقتا رہتی
پیکار دل کا ہو جانا وہ سن سے
لگے دل میں اُننگوں کے ہنڈولے

مبارک ہو لگیں پڑنے چھہا میں
پڑے خوبی سے امرتوں میں جھوٹے
وہ ریشم کی ہری اور لال ڈوری
بندھا ڈوری سے وہ صندل کا پٹرا
کمر خوبی سے پینگوں پر چلتی
سُہانی وہ دلوں کی سنسناہٹ
ادا کچھ پائے وہ کھوئی ہوئی سی
وہ ہر دم دل میں اُٹھتی گدگدی سی
سُک سپیدھی سرتی سرتی راتی
نہ جیتی آنکھ میں ہوا رہتی
وہ پینگوں کا بڑھانا بانگین سے
پڑے پینگوں کے جھونکوں سے جھکولے

لہ رجیٹر اسکول میں حاضر طالب علم کے لیے انگریزی حرف P لکھا جاتا ہے ۱۲

<p>بنارکھی ہیں پینگوں نے کمانیں ہوئے جاتے ہیں دل ہر چند سن سن کھڑی پینگوں پہ ہیں جو تیر قد دو بھیریں ہیں ان میں اقلیدس کی شکلیں غرض ہو ان سے عشرت کی مساحت</p>	<p>کہ سب خوش قاستوں کو تیر جانیں برابر چل رہے ہیں تیر زن زن انھیں دو پردہ پر کار سمجھو دواڑ اور قسی ہی ان سے نکلیں کہ ہوتا بہت دلوں میں شکل راحت</p>
--	--

کھا شہباز نے جھوٹے کاکب حال
 بچایا عشق کا اس آٹ میں جال

پروفیسر شہباز کے نچل خیالات

(مرقع فطرت)
 ”بچوں کو دودھ پلائی کتیا“

<p>کتیا جو ہی دودھ پلائی چھ چھ پٹے چمٹے ہوئے ہیں پاؤں ہیں پیچھے ہاتھ ہیں اوپ شیرہ سب ہیں چوڑے لیتے چھاتی نہیں یہ منہ میں دبی ہی منہ میں جب کوئی جرّعہ آیا</p>	<p>قدرت کی ہی سیر دکھائی ایک جگہ سب سٹپے ہوئے ہیں چھاتی یہ منہ نہیں اسکو زور خالی سٹپے چھوڑے دیتے منہ سے لگی یہ محو غمبی ہی بس اکھوں میں نشہ سا چھایا</p>
--	--

۱۵ یہ نظم اور رنگ آباد دکن میں دودھ پلائی کتیا دیکھ کر لکھی گئی تھی ۱۲

جس کو دیکھو وہ مرے میں
 جام نہیں کیے جی بھر کے
 عرش سے ان پر تو ہی بستی
 ظاہر میں ہی ادنے کتیا
 سر سے پاتک خاص ادا ہی
 اپنی محبت پر یہ اڑی ہی
 کھاتی منہ کے سو سو جھٹکے
 چران ہی چپ چاپ کھڑی ہی
 سر کچھ آگے کو بڑھائے
 دودھ پلاتی ہی بچوں کو
 جام محبت ہی چھلکاتی
 انسان کے گرد وہوں پئے
 پر کتیا کے ضبط کو دیکھو
 لطف برابرنہ ماتی ہی
 جھنجھلاتی ہی، مگر غیروں پر
 کتوں پر بھی عزائی ہی
 کتے تو کیا پس شیر گرائے
 پاؤں کو اپنے نزعیت دے
 دم میں جھکے صاف چھڑے
 بڑی پسلی توڑ کے رکھ دے
 گویوں ہی یہ غضب کی شدت

آنکھیں بند ہوئی ہیں نشے میں
 باز رہیں گے خالی کر کے
 رشک کی جا ہی ان کی سستی
 باطن میں ہی مہر العلیا
 مہر بھری پتوں کی ما ہی
 شفقت کی تصویر کھڑی ہی
 رنج و لیکن پاس نہ پھٹکے
 خطرت گویا آپ کھڑی ہی
 دم کچھ کچھ پیچھے کو دبائے
 وجد میں لاتی ہی اچھوں کو
 رنگ الفت کا ہی جھکاتی
 دوہی دل میں گھبرا اٹھے
 تنہا پالتی ہی چمچہ کو
 گھبراتی ہی نہ آکٹاتی ہی
 آہ نہ آئے تا پتوں پر
 لکھیاتی ہی جھنجھلاتی ہی
 اس سے بھی یہ منہ نہ پھراے
 لپکے، بجلی کو حیرت دے
 اڑ کر سارے ہوش اڑا دے
 دانوں سے جھنجھڑ کے نظر دے
 پروے میں مل بھی ہی شفقت

پھول جلالی شاخ جمالی

صدائے قدرت کے مالی

پروفیسر شہباز کے روشن خیالات جنت کے جھوٹے

وہ جنت کے بلجے جھوٹے کھلے
جھڑکے سے غم کو ملیں جھڑکیاں
نہ دیکھی کھلی یوں کبھی چشم غور
ترازو میں ہیں خوبیاں تل رہیں
جھوٹے نئے کھڑکیاں ہیں نئی
کھلے کھڑکیوں اور جھوٹوں کے پٹ
لطافت کے موتی پروتے ہوئے
بھیسکتے کبھی انگڑیوں کی طرح
کبھی منہ کے سب کچھ چھپاتے ہوئے
کلی جس طرح ہو کوئی ادھ کھلی
کہ کھلنے پہ غمے ہوں جیسے تیلے
کہ جس طرح کلیاں ہوں بکری ہوئی
کہ جس طرح ہو پھول پورا اھلا
کہ ہر عیش میں دل کا بے چین حال
کہیں خوابِ مستی کی تعمیر ہو

کھلے ہم پہ دنیا کے دھوکے کھلے
کھڑکے سے اب یہ ٹھیکس کھڑکیاں
عجائب ہیں کچھ ان جھوٹوں کے طور
تکلف سے ہیں کھڑکیاں کھل رہیں
نئے حسن ہیں خوبیاں ہیں نئی
دکھاتے ہیں پیاری لپٹ اور چسپٹ
سدا کھلتے اور بند ہوتے ہوئے
چمکتے کبھی پنکھڑیوں کی طرح
کبھی کھل کے دھڑک دھاتے ہوئے
کھلی ہر کہیں اس طرح جھلکی
کہیں اس طرح ہیں درپتے کھلے
کہیں کھڑکیوں میں یہ خوبی ہوئی
کہیں خوبوں کا یہ ہر سلسلا
کہیں یہ کیوں دل میں پیدا خیال
کہیں مست آنکھوں کی تصویر ہو

<p> کہیں پھل خوشبو میں ہیں بس رہے کہیں کئے ہیں کچھ اُس پر بھی فوق یہ خوبی سدا ہی جھروکوں کے ساتھ ہیں جن دو میں نے انتہا زائے ہر اک زائے میں ہیں سو خوبیاں ہو دل ایک لیکن خوشی سیکڑوں ہو واں کس طرح حورو غلام کا کال </p>	<p> کہیں ہیں تبسم سے لب ہنس رہے کہیں ہیں کھلے مثل آغوش شوق بدلتے ہیں ہر چند جھوکوں کے ساتھ بناتے ہیں وہ خوش نما دائرے ہر اک دائرے میں ہیں محبوبیاں ہر قطر ایک لیکن وہی سیکڑوں ہو اس طرح کا جن جھروکوں کا حال </p>
--	---

حویریں

<p> ذرا ہوش گٹھری بنھا لے ہوئے فرشتوں کے ساماں ہیں یا۔ قوت کے؟ اگر آب بھی ہو تو یہ تاب کب جو موتی کی نیساں صراحی بنائے یہاں وہ صراحی بھی گردن جھکاے خدا جانے کیا گھونٹ شربت کے ہیں سکھاتا گلوری کو ہر رنگ ڈھنگ ابھی جھلکا جاے میناے نور کہاں ایسی مینا کو گردن جڑے تبسم سے خوشبو سی اڑتی ہوئی </p>	<p> وہ حویریں ہیں گردن نکالے ہوئے ڈھلی ہو وہ ساچے میں یا قوت کے صراحی کی گردن میں یہ آب کب ہو ممکن یہ گردن ہمیں ہاتھ آئے نظر خوں پہاڑ اُس کی جاے وہ گردن میں عالم لطافت کے ہیں یہاں پیک کا ذکر کیا پھر بھی رنگ گلے سے گر اترے شرابِ ظہور مڑے جب لطافت ادھر سے مڑے سلیقے سے گردن ہو مڑتی ہوئی </p>
---	--

کلی موگرے کی یہ گلشن میں ہے
نسیم مسرت سے کھلتی ہوئی
پنہایا ہے قدرت نے قمری کو طوق
ہے قدرت کے کنٹھے کا جس سے منط
شہیل ہیں جس پر شیدا بنا
سپیدی سحر کی نمودار ہے
ستارہ سحر کا بلند ہے یہ ہے
اثر سے قریں ہے دعائے سحر
دیا کس نے موتی گریباں میں ٹانک
سحر سے کسے منہ گریباں میں ڈال
گم لے سحر کا گریباں پکڑ

گرہ کی طرح گرچہ گردن میں ہے
نزاکت سے ٹہنی یہ ہلتی ہوئی
بڑھاتا ہے گردن کا خط دل میں شوق
وہ کنٹھی ہے موتی ہے ریشم یہ خط
عجب ہے یہ قدرت کا کنٹھا بنا
صباحت سے مینا یہ شہر ہے
وہ کنٹھے کی زینت سپیدی یہ ہے
یہ کنٹھا نہیں ہے صباحت اثر
سحر کہ رہی ہے یہ کھڑکی سے جھانک
صدف میں جو موتی کس نے یہ مقال
بناوٹ سے جاے سحر پھر بگر

آموں کا پچین

ہکا ہوا ہے صحرا باغوں میں مور آیا
جو شاخ آم کی ہے اک شاخ زعفران ہے
جو پیر آم کا ہے دو طابنا ہوا ہے
جو پیر باغ میں ہیں کشمیر ہو ہے ہیں
خوشبو کو سو گم بھنورا مجنوں ہے شاخ لیلی

پھاگن کا ہے مہینا عشرت کا دور آیا
چرے سے پتے پتے کے خرمی عیاں ہے
شاخیں جھکی ہوئی ہیں ٹھننا ہوا ہے
نقش و نگار زریں عریز ہو رہے ہیں
کیا بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف ہے پھیلی

کیا ست بوہر پہلی بھایا جو اس کا آئیں
 گرد اپنے دل کے دامن سے ان دھو رہی ہیں
 یہ کھیاں کسی دم سوتی نہ اوگھتی ہیں
 پر شغل زمر موس سے اک دھوم ڈالتی ہیں
 تو نہ بنا نہ تار کھونٹی ہندری نہ ہر جوری
 لے جا رہی ہیں ہر دم ہر لحظہ اپنے گھر یہ
 کرتی ہیں جا کے گھر میں شہد اپنے یہ ذخیرہ
 ملتے جو خضر مجھ کو تو ان سے میں یہ کتنا
 کھی کو آج امرت سا کر کامرتا ہوں
 آب دہن کی خوشبو چاروں طرف ہو پہلی
 طرے کی جب بنائی آب دہن نے شیشی
 یہ عطر پہلا دت گر جا کوئی سنگھا ہے
 بھنورے بھی طرف سے پاں گئے سمٹ کر
 اونچی چھٹناک وہ بادل سے چھا رہے ہیں
 خوش بو کے عشق میں یہ کیا ہوش کھو رہے ہیں
 بھنوروں کو گھسیں کو فطرت ہی شہد دیتی
 ہیکار نور پر کچھ ان کو نہیں بٹھاتی
 پر لطف زمر موس ہیں دھوم جو مچاتے
 وہ بجے نہ مادہ شامینہ ان جھٹپٹیں
 محصور دوا عشرت کی کروٹیں بدل کر
 پاں تو معالے یہ عشرت کے پورے ہیں

کو موس کھیاں بھی کیا کیا سمٹ کے آئیں
 کچھ پہ مور کے وہ تیراں ہو رہی ہیں
 ہیں ست بھینی بھینی خوش بو یہ سوگھتی ہیں
 محنت کی سختیوں کو گا گا کے ٹالتی ہیں
 اونچ رہی ہوں ان کی بھر بھی پڑی ستاری
 شربت لذیذ شیریں اوصاف چوس کر یہ
 ہوتی ہو عقل انسان اس واقعے سے خیرہ
 ہی شہد آب حیواں غلام طہیٹ ان کا
 یہ شہد تو نہیں ہی امرت ابل رہا ہوں
 سنا ان کا کر رہا ہوں کیا کیا گلاب پاشی
 لذت سے ہاتھ خوش بو پاش میں بھردی
 حلوانی اور گندمی دونوں کو رشک لگے
 کیا کیا لگا رہے ہیں پڑوں کے گرد چکڑ
 اوپر ہی اوپر اپنا گا اور بجا رہے ہیں
 عاشق کی طرح بالکل مدہوش ہو رہے ہیں
 اور چپکے چپکے ان سے ہی اپنا کام لیتی
 نرا اور مادہ شامینہ کا بیاہ ہی رہا ہوں
 سچ سچ ہیں شادی باندو لھا دھن کا گائے
 گردن میں ڈال باہیں جی کھول کھول لپٹیں
 دیتی ہیں دوا عشرت رکھ کر منہ اپنا منہ پر
 دل کا شکر فطرت کچھ غم بور ہے ہیں

اس باغ میں ہیں جتنے بادِ صبا کے جھونکے
عشرت کی کرہ میں جانِ جن جن مل رہی ہیں
شاخوں میں جب زمر کی طرح یہ پھلیں گی
کوئلے کے بلجے اک تان یوں لگائی
ہیں کچھنے میں کچھ خفاش کے سے دانے
نئے حصر ہیں انہی میں پوشیدہ برگ اور بار
اشجار میں کڑوٹوں قوت کے ہیں لگے پھل
کھل کھل پڑ چیں کیا قوت کی ان پھلوں کی
گھمے ہیں سور کے پھل ہیں گھٹلیاں پھلوں میں
قدرت کے گلستاں میں پھیلا ہوا فوجِ شاخ
کھل پڑنے پر یہ نوعی زنجیر کو بڑی ہو
قدرت کے سچے کاہر وہ پڑ طلسم دانہ
تسبیح کبریوں کی ہواک طلسمِ حیرت
یکبریاں نہیں ہیں نہ میں دو دم پیتے
چڑنے زمین کی چھاتی سے بھر گئے ہیں شیشے
آٹھیں ہیں بند ان کی اور دو دھنی ہم ہیں
سرسبز شاخ ان کا گوارہ ہو بناتی
پیارسے سڑوں میں کوئل دہتی ہو لوسی اگر
کیا جانے یہ بچے تھے جاگتے کہ سوتے
پتوں نے نئی نئی بگھی جو لاکھڑی کی
آیا تھی بچھے بچھے بگھی معنی آگے آگے

پڑشاخاؤں کی پرتھوڑی قدرت

ٹوٹے ہیں گن شاخوں میں سرسبز کبریوں کے
یکبریاں ہی اپنے اپنے ٹپٹھلے میں ہیں
پتوں کے دامنوں میں یہ یکبریاں پھلیں گی
”باغوں کو ہو مبارک! میں یکبریاں کھائی“
ہیں پچھلے انہی میں قدرت کے سو خزانے
سستے ہوئے انہی میں ہیں بیشمار اشجار
ہر پھل میں لگ رہا ہو آموں کا ایک جگمگ
حد پھر نظر آئے صحرا میں جنگلوں کی
گھٹلی میں کوہیں ہیں شاخیں ہیں کپڑوں میں
سیر پھیل آسمان لاکھوں زمر وں کا خ
نئی سی کبری میں پڑی ہوئی پڑی ہو
جس میں چھا ہوا ہو تسبیح کا رخا
پڑھتے ہیں جس کا قل ”سبحان تیری قدرت“
جو دو دم کے سہارے اس ہمد میں ہیں جیتے
پہچاتے تیرے ملک ہیں نمایاں رہتی کی ریشے
آغوشِ تربیت میں کیا خوب جی رہتے ہیں
بن کر نسیمِ دایہ ہو دم بدم ہلاتی
سو جا تو بالے بھولے سو جا تو پیارے دم بھر
شبنم کو منہ اندھیرے دیکھا منہ ان کا دھونے
آئے مزے میں بھی ان کو ہوا خوری کی
دہنی طرف بھی دوڑے بائیں طرف بھی بھلے

پھیلائی اس میں مشرق سے مہر نے حرارت
سائے میں ہی جھلاتی گا ہے اُچھالتی ہی

پتوں کے غیموں نے کی آدھوپ سے حفاظت
ناز و نعم سے فطرت یوں ان کو پالتی ہی

آموں نے ہوش بنبھالا

خفاش کیریاں تھیں پہلے ہوئیں مٹر پھر
اس سے بڑھیں تو چکیں بنگر گلاب جاسن
نشو و نما جوان کی اس سے کچھ آگے سر کی
کوئی درخت ان کو دل اپنا جاننا ہی
کاش ایسے دل ہمارے سینوں میں بھی لٹکتے
دل میں گٹھے ہمیشہ اصلی سرور رہتے
پتوں کے جھگڑوں میں شکلیں پیچ لی جھولی
بُشیرے پر کیر پوس کر وفتی ہی اس جھک کی
چہرے پہ اپنے آنکھیں گرچہ نہیں یہ رکھتیں
جادو سے اپنے چشمک جہدم یہ مارتی ہیں
نئے ہر کان سے بھی گوہر دکھائی دیتی
یتو سے اپنے یہ تو ہیں چشم و گوش والے
عارض بھرے بھرے ہیں اُصحوں کو دیکھنے
ٹھڈی نیکی اُن کی ہی ہوسہ گاہ خوبی

دو دو مٹر کی ہو کر تھیں پیر سر بسر پھر
سر سہڑیوں کی طباشاواہیوں کی ماسن
میزان تربیت میں ٹھہر میں چھٹانک بھری
اور کوئی پیر ان کو گر وہ ہی مانتا ہی
شیرے لذیذ جن سے تاثیر کے ٹپکتے
اخلاق کے نشے میں دن رات چور رہتے
ہی جن پہ لطف خوبی نے اک دکان کھولی
جنس سے ذہانت چہروں پہ ہی دلمنی
پر کہہ رہا ہی چہرہ سب کچھ ہیں یہ کھیتیں
کیونکہ کی طرح الفت دل میں اُبھارتی ہیں
سننے سنانے پہ ہی صورت گواہی دیتی
رو سے ہیں قیلے کے عقل و ہوش والے
بھڑکتے ہیں جنسی سے دیکھے سے جن کے سینے
جو عورت و گداوت میں سر بسر ہو ڈوبی

<p>جہاں میں طرح کا صورت پر ذہن اور ذکا ہو مکتب میں ان کی علوی آبا نہ کیوں بٹھائیں کیوں نہ روشنی پر نور شید دل کو لکچر؟ برگ پنجر بھی علمی کرسی نہ کیوں بچھائیں؟</p>	<p>تعلیم کو زمانہ پھر کیوں نہ اٹھ کھڑا ہو اور اق قاعدہ کے کیوں تتلیاں نہ لائیں ہمیت کا کیوں نہ کھولے راتوں کو چرخ دفتر؟ تخلیل کی سیادی کا گرنہ کیوں بتائیں؟</p>
--	---

طوفان کی آمد

<p>کیا بات ہے یکایک رنگ آسماں کا بدلا؟ کچھ دیکھتے آفت کی خالی دھواں اٹھا کر خالی لیٹیں دھوئیں کی بل کھائے جا رہی ہیں تاثر عکس سے اب بدلا ہوا سماں ہے کس طرح کا تماشا ایجاد ہو رہا ہے یوں دیکھنے میں خیمہ چپ چاپ گھوٹا ہے فانوس چراغ اس میں ہے روشنی سمائی کروں نے جب غباری جنم سے سر اُٹھارا کیا روشنی طلائی غنیمت سے چھن رہی ہے ہر خند خلق کو اک حیرت لگی ہوئی ہے کیا جانے فلاں کیوں تیریاں چڑھائیں؟ خالی دُور کی فوجوں کو تیر لگی دبا تی</p>	<p>مشرق سے بحر نیلی کیوں ہو چلا ہے گدلا؟ دامن میں آسماں کے ٹانگی ہو آنے جھار اُٹتی ہوئی اٹھنا کا خا کا اُڑا رہی ہیں چوتھائی آسماں تک پھیلنا ہو اُدھواں ہے خالی دھوئیں کا خیمہ استناد ہو رہا ہے چپکے ہی چپکے لیکن مغرب کو بڑھ رہا ہے پڑتا ہے عکس سحر اور دشت پُر طلائی آیا نظر زبردست آنکھوں کو اک غبار سطح زمین طلا کا اک طشت بن رہی ہے اس روشنی کے پیچھے ظلمت لگی ہوئی ہے ظلمت نے نیلی ودی کی پلٹیں پٹھائیں اپنی سیاہ ودی کا رعب ہے جماتی</p>
--	--

ہر سنسناہٹوں میں ہنگامہ مٹدی فل کا
گرد و لب بگولے عفریت قد بگولے
کوڑا جاکے کوئی کاوسے پہلا رہا ہی
طوفان کے ہاتھ سے ابھالیں کہاں خدایا!
کس دم سے سلامی ہو کر رہی ادا توپ
بجلی کر دک رہی ہی بادل گرج رہا ہی
طوفان کے گلے سے ہاتھی چنگاڑتے ہیں
منہ پراڑی ہوئی ہی ہر شخص کے ہوائی
دیوار ہر تپا ہے کیوں در کے پڑ رہے ہیں؟
صحیح کال کا ہی کیوں نہ لے س طرح فن؟
ساحل سے کس لیے یوں مع حیل لچھ رہی ہیں؟
ہر انتقار سے ہی طوفان آشکارا

دکھلا رہا ہی آنکھیں وحشت فراؤ دھندلکا
گھوڑوں پہ آ رہے ہیں بیش از عدد بگولے
گھوڑے کو اپنے بڑھکر کوئی جبار رہا ہی
وہ آگیا بگولوں کا بلجھے طسٹلایا
آتے ہی آج غلٹ کا چھا گیا گھٹا لوٹ
وحشت کا بند بجا زوروں سے بچ رہا ہی
شیر آفتل میں گھر کر بن میں دھارتے ہیں
طوفان نے یہ کیسی آکر ہوا چلائی؟
وروازے کیوں گھروں کے حقے سے لڑ رہے ہیں
چھپر کھسوٹتے ہیں کسوں اپنے بال ناحن؟
کیوں تیریاں میں کو دشمن سمجھ رہی ہیں؟
بگڑی ہوئی ہو اکا ہی یہ فساد سارا

باغوں میں اُس کا زور

چنبر میں ہر شجر کے آفت کا شور دیکھو
ٹوٹی بیج وہ اسی سیدی لٹک ہی ہیں
آیا ہی اس غضب پیروں کا تاک میں دم
تکلیف درد سے خودیوں پڑ رہی ہیں

باغوں میں کج اب طوفان کا زور دیکھو
جھوکوٹ آفتوں کے شاخیں لپک رہی ہیں
شہنشاہ کی شاخوں کی مار بہیم
برگ شجر غلط ہو نہ یاں نہیں یہ بکتے

لے وہ فوجی گردہ جو رات کو شہر یا اپنے لشکر کی جو کسی کرے۔

شاخیں کچاں طرح سے آپس میں لٹ رہی ہیں
ہنگامہ ہر شجر کے گھر میں مچا ہوا ہے
شاخوں میں اور ان میں وقت کا ڈھنگ کر
اُٹھتے ہیں بال بھولی شاخوں کی گردنیں ہیں
پٹھے بٹھے ایسی کیا آئی ان کے جی میں
ڈر سے پرند سسکے سے پڑے ہوئے ہیں
آنکھیں بینہ دونوں جانچیں کھلی ہوئی ہیں

ہر شاخ پر ہزاروں تلوائیں پڑ رہی ہیں
اک غانہ جنگلیوں کا عالم رہا ہوا ہے
لاکھوں ہی اڑ رہے ہیں پتے ہنگامہ ہو کر
باہم تھپی ہوئی کل سنڈی کی کھڑپیں ہیں
پہلے تو عاشقانہ برتاؤ تھے ابھی میں
ہوش اُن کے گھونسلوں کی صورت لائے ہوئے ہیں
اُڑنے پر مرغ بندہ جانیں تلی ہوئی ہیں

سنگترے

باغوں میں بھر ڈالی میں لاتی ہو ڈالی سنگترے
صورت میں ماہِ کامل ہیں ماہِ کامل کی صورت
آپجس سے نہیں بچے کچھ چھپ کر کچھ کھل کر
جس وقت کہ سایہ شاخوں کے اُٹے اُٹھ جانا ہے
قدر کا منہ سے پڑتے ہیں بازار میں آئے فضلنا
ہاتھوں میں شوق کے آرا کا غلام اسے پھر پھر کر
روشن چراغ کی لذت اس کے خیر چھپے غلط میں
ہر شام دوسرے جیسے ہر چڑیوں کی صفیر شاخوں پر
پہنچنے کے وقت ہواؤں کے اُٹتی ہیں سنگلیں وہ کہہ کر
ہر بلع کماں بازار ہو یہ یہ پیر نہیں دکانیں ہیں
سجھنے کے گیندنگا ہوں میں سورج کے اچھلنے لگتے ہیں

سر سبز ہی سے دکھلاتے ہیں سبزی میں لالی سنگترے
حلقے میں اپنے رکھتے ہیں کمال ہلالی سنگترے
دو تینوں کی دکھلاتے ہیں تصویر خیالی سنگترے
آوازہ درد دیکھتے ہیں بے وارث والی سنگترے
اک لذت باش صاحب سے ترو بزم جالی سنگترے
کیا میٹھی میٹھی ہیں جو لوں کو گالی سنگترے
ہواش میں اپنی کہتے ہیں مکت کی بہالی سنگترے
پڑ جاتے ہیں کچھ طلب سے اسے جمالی سنگترے
کبت سے پتے پتے ہیں ہر بجاتے تالی سنگترے
ڈالی میں کھلائے ہیں قدرت کے الی سنگترے
جس وقت کہ ابھرتے ہیں چاندی کی تھالی سنگترے

<p>ہم آپ کیا پہل سجاں نہ ہوئی نگاہیں مڑتی ہیں گو آپ اذیت ستے ہیں منہ میٹھا سب کا کرتے ہیں مضمون نہا ہر دیوانے دیوان نکلے آتے ہیں</p>	<p>گو یا ہیں نگاہیں قطبِ نیا اور قطبِ شمالی سنگترے اس روئے میں کھلاتے ہیں خندہ خضالی سنگترے دیوانِ لالی قاشیں ہر دیوانِ ہلالی سنگترے</p>
<p>قاشتوں کی طرح سے جھک جھک کر سو منٹ اور ساجت سے شہباز سے بھی لکھو ایسے گے دیوانِ ہلالی سنگترے</p>	

نوروز کا نیا تحفہ

(سالِ نو کا نو طرزِ خیر مقدم)

<p>آج کی تاریخ میں ہیں یاں اکھٹے تین نو محلے میں شوق کے دیں نوبہ نو عشرت کی داد نوجواں نو عمر نو نو خیز ہوں پہلو میں جمع سین و دلاں وہ دکھائیں سین چشم شوق کو خوش نوائی کا دوا عالم ہو کہ ہر اک تان پر جگہ گائے موتیوں کا سر سے پاتک ہو ہجوم دین عسلیٰ رخ پر صدقہ دین موسیٰ زلف پر چشم کا فرگر بنائے ایک کو تو لام زلف شہد ریزی پر ہوا مال جب کبھی یا قول لب ایک سو کی طلب پر ڈیڑھ درجن لب بڑھیں یہں دھمکے زبان سے خلق کا برتاؤ دیکھ</p>	<p>سالِ نو اور ماہِ نو اور روزِ عیش آگین نو چاہئے جاری ہوں دم عیش کے آئین نو جن کی چین لیں میں لپٹے پڑے ہوں چین نو نکلے ہر دم سین سے احسنت کے تحسین نو آن کر مینا بیوں میں جھج اٹھیں بین نو خوبیوں کے ہوں فلک پر کم سے کم پردین نو بلکہ ایسے ہوں قصفت ہر ادا پردین نو کھینچ لے اسلام میں اگن میں نے دین نو صاف دھو شہنشاہ سے بھر جائیں تین نو تاک لے لیں لب چٹا چٹ بوسہ شیرین نو نہ فلک سے دیں سنائی عرشش کو آئین نو</p>
--	--

ڈیڑھ درجن دوں میں تو تو ہوں قتل
 نو نگاہوں خندارو نو نگاہیں نیشتر
 ہرنگہ کے ہاتھ میں اس طرح کی سنگین ہو
 ڈیڑھ درجن چشم نقاش قتل میں بھرتی دکھائیں
 رحم کا جامہ پہنکر پھر یہی قتال خلعت
 اپنے خیب اعمال پر جامے نظر سے اختیار
 چشم لیکن باب حمت کھول دے اک آن میں
 سنسن سے جب دل کو نفرت ہو تو قاصی کو بلا
 شوق کے عالم میں بوجھ کر سواری کا خیال
 آئیں چار میں فلک تازی کی تیزی دیکھ کر
 ہول طاقت کی بجھی صرغ کوئی موزوں اگر
 قصہ لکھنے کا اگر اک شعر کے ہو طبع کو
 کوئی صیغہ ہو چھپیں یہ ہر دم تو باب ضرب سے
 الغرض محفل میں بھلی ہو خوشی کی روشنی

دل بڑھائیں کہ ہر دم آفریں حسین نو
 یعنی نو مضطر کریں گرا کے دیں تسکین نو
 پیش آئیں ہر کے سنیں کو بھی سنگین نو
 چنبیہ نو لے کے دوڑیں قلب پر سکین نو
 آنکر جھٹ پٹ کریں سختیز نو تکفین نو
 زلف کے ہر تہج میں آئیں نظر سے سجیں نو
 جس کے کھلتے ہی نظر آجائیں علیین نو
 ہوں نرین مہر شرعی سے وہیں کاہن نو
 رکھیں گھوڑوں پر بھرتی زین زین نو
 ہر قدم پر دیں ثنائی نعرہ حسین نو
 چھوٹے ہی اس مصرعے شمع ہوں نصیب نو
 شعروں کی ایک کی جاہوں وہیں سنگین نو
 ایک کی جاہ بتائیں از پے سترین نو
 جلوہ گر ہو ہر در و دیوار سے تزیین نو

جس جگہ آئے نظر شہباز اس دل کا شکار
 ناز و غمزہ کے لہٹ جائیں اسے شاہین نو

مولانا شہباز کے آزادانہ خیالات حضرت رمضان کا فوٹو

دو ہفتے سے گھر میں مرے وارِ رمضان ہیں
فاتے ہیں ایک دن بھر نہ پیو کھاؤ
حقہ بھی پئے کوئی تو اٹھ لے کے ہیں اُٹھتے
سُرمے سے خفا عطر سے ہیں ناک چڑھاتے
بیوی کو یہ شوہر سے چھڑاتے ہیں کڑک کر
آنے نہیں دیتے کبھی بوسوں کو لبوں تک
ہر گالِ حسین کے دو دمِ حجاب ہوئے پھول
وہ ہونٹ نہ لکے جو غفلت وہ ہاں تھے
نظارے کی جرات نہیں پڑتی ہر نگہ کو
کاٹے نہیں کٹتے پتیلیاں مست کے یہ دن ہیں
یہ شام نہیں کھلے میں چھایا ہی اندھیرا
ہر شام مہینل ہی میں جا کر کہیں آتی
طاقت نہیں ہاتھوں میں لے دئے کو اٹھائیں
روزہ نہیں کھتا ہر کسی قلع کا پھاٹکا
پس سخت و فرو کے لیے یاروں کے تقاضے
بے قید جو ہیں پیتے ہیں آزادی سے حقہ
مسجد میں ہیں تیل و قرات کے وہ جھگڑے

جھلے یہ کچھ ایسے ہیں سب اسے بجاں ہیں
جوع اور عطش وہی شریعت کے نشاں ہیں
اور پاں کے مٹی کے تو یہ دشمن جاں ہیں
آٹا و گھنٹا سب سے بُشرے پہ عیاں ہیں
ہاں بیویوں پر اب تو حرام الچ میاں ہیں
تنگ اسے بہت تنگ دلوں کے دہاں ہیں
گلزار کہاں حنک کے سب وقفِ خزاں ہیں
اب پیاس سے سو ٹکڑے وہی صورتِ پاں ہیں
جلاد کی ترکیب سے حضرت نگراں ہیں
گھنٹے ہیں گراں کوہِ منٹ سنگِ گراں ہیں
خود شام کو جس پر شبِ یلدا کے گماں ہیں
سنٹے کہیں برسوں ہی میں خرب کی افال ہیں
گو بھوک سے بوجھ رہے پہ دس بیس ہاں ہیں
فاقے سے فقط جہاں لبِ انسان جہاں ہیں
حافظ ہی سکو مسجدِ مہسایہ رواں ہیں
ہم دیکھتے حسرت کی نگاہوں سے دُھواں ہیں
آئین کی جا مفتی سکتے الا مال ہیں

ہوتی ہی نہیں ختم کسی طرح سے کھوت
مغرب ہی علی عاتیٰ ہو مغرب سے عشا تک
حقہ نہیں کیا خاک کہ مغرب سے عشا تک
حق تلخ ہی پکتے ہی بنتی ہی غریب و
ہیں گھر میں خا کے کہ وہ جائے خدایہ
دکھلائی ہی اعشا شکنی سنگ فلاخن
انگڑائی کے مائے ہر جہانی کے بچھاڑے
سمجھو رکوع اس کو ٹھکے اور طرف یہ
مسجے جو آئے تو پھرے گھر سے خدا کے
عم خواہیں جہان کہ کھایا نہیں جاتا
دولتوں میں پھر گھر میں تاج کا غل ہی
ہر جان کی خاطر یہ نئی طرح کی وقت
حافظ نہیں ہر فوج کا افسر کوئی آگے
کیا جانے کہا ہم سے ہوا جرم یہ سنگیں

مغرب پہ تیرا وچ کے یاروں کو گماں ہیں
سُن لیتے کبھی اس میں بھی غم کی اداں ہیں
حافظ جی سُناتے ہیں کیا بیت و خاں ہیں
حق کی طرح جتنے ہیں سرگرم فغاں ہیں
افونیوں کا حال نہ پوچھو کہ کہاں ہیں
انگڑائیاں ہاتھوں میں لیے ترو کہاں ہیں
پھیلے جو ہیں ہاتھ وہ کھولے جو وہاں ہیں
سجھے کے بہانے سو خاک رواں ہیں
الفاظ ہیں جو شکر کے سب درو زباں ہیں
ہر چند کہ انواعِ نعم زینت خواں ہیں
حافظ جی مصلے کی طرف مگو کشاں ہیں
اٹھنے میں ہیں گریز تو جھکنے میں کہاں ہیں
زخمی سے گھر چڑھیں جو زبیر کہاں ہیں
کیوں جی رکے ڈالتے ہم کو رمضان ہیں

شہباز یہ تحریمہ نہیں سینہ زنی ہی
ہر چند محرم نہیں ہم مرتبہ خواں ہیں

بھوک کا جلال

ہر اہل فقر کو شیطان بنا رہی ہی بھوک

خدا کی یاد دلوست بھلا رہی ہی بھوک

ہر ایک عضو پہ نازل ہو اک عذاب الیم
 ہو ازمانہ کہ تلی کو چکھ گئی تل کر
 جو پٹے ہانوں میں نقاب وہ سر میں ہی چکر
 لگا رہا ہی پڑا دل میں آگ دیکھ راگ
 پڑی ہوئی ہی تر نزل میں کھو پڑی کی چست
 ہمار گشت کی رنی دھنکے رکھ دہلی
 ہماری آنکھوں میں چھایا سماں ہی آندھی کا
 عجیب طرح کی لبتا ہی یہ کہ گوشت کو چھوٹ
 تڑپ رہی ہی پڑی قلب میں زری بجلی
 لئے ہی ہاتھ میں اک اضطراب کی مقراض
 جو دیکھو ان کے فارورہ صاف کر دو اینٹیل
 ہی انتڑیوں کی عجیب درس قل ہو ارشد کا
 پڑے جو آنکھوں میں حلقہ وہی ہیں حلقہ گوش
 چھی ہوئی ہی دھما جو کڑی قیامت کی
 کھلاو جیسے بنے ہو حرام چاہے حلال
 ہی بہ خیال غلط سنسنا رہا ہی بدن
 اُڑانہ کان کے پردے مچا کے بھوک کا غل

ہم تو پیٹ میں دمنخ دکھا ہی ہی بھوک
 کباب کر کے جگر اب تو کھا ہی ہی بھوک
 پھر پیخت، تو اب سر پھار ہی ہی بھوک
 جو پیٹھی کا دل میں ہلکوت نہا ہی ہی بھوک
 کڑی کڑی میں پیٹھی کھن لگا رہی ہی بھوک
 لسنوں کی تانت کماں پر چڑھا ہی ہی بھوک
 فضائے سر میں بگولے بنا رہی ہی بھوک
 ہر ایک عضو کی ہڈی چبار ہی ہی بھوک
 گھٹا کی طرح سے آنکھوں میں مچا ہی ہی بھوک
 حواس ہوش کے پرنے اُڑا رہی ہی بھوک
 منہ کے گردوں میں بھی زنگ لگا ہی ہی بھوک
 زالی ہکو قراست سنسا رہی ہی بھوک
 غلام شاہ نمک کو دکھا رہی ہی بھوک
 دل دماغ میں اودھم مچا رہی ہی بھوک
 نقائص سخت ہیں اور جان کھا رہی ہی بھوک
 سموم ہر کے پڑی سنسا رہی ہی بھوک
 کہ آپ اپنے یہاں ہوش اُڑا رہی ہی بھوک

ہر اک زبان پہ ہی شہباز نعمتہ فی التبار
 نکل کھ پیٹ سے دمنخ کو کھا رہی ہی بھوک

مولانا شہباز کے روشن خیالات شب قدر

مشہور زمانے میں جوانی ہی جوانی
ہی، بال پریشانیں اگر رات ڈرائی
پڑھ لکھ کے اگر قدر کچھ اس بات کی جانی
لکھ رکھو یہی پھر ہی شب قدر کی ثانی

سر عرش، بنجم آنکھیں، نظر نوز شانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

ہیں مزید رکھی جو سیاہی کی دوائیں
گر عور سے دیکھو تو ہیں سسٹی ہوئی رانیں
ان اتوں میں گر سیکھ لو تم علم کی باتیں
ذاتیں ہیں تھکاری بھی رشتوں ہی کی ذاتیں

چھ آنکھوں میں سب کی بتھیں یوسف ثانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

اور ق کے صفحوں پر کہاں کچل کتابت
اطباق سموات پہ چھائی ہو یہ ظلمت
ہو قدر تو ہوا شب قدر کی حالت
جھکتے ہیں پڑے نخل گماں قصر جہالت

ہر بات ہی انواع سعادت کی نشانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

زلفیں وہ کسی دوش پہ ہیں مشک نہ عنبر
رائیں ہرکت کی ہیں تارے ہیں وہ زیور
جھکنے میں عقیدت کے ہیں سر، دل کے صنوبر
گر قدر ہو، عرفان کے کھلے یاں بھی ہیں دفتر

افسوس ہی لیکن، سر مو قدر بخانی
ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

حیرت کی نہی شب ہی پہاڑوں کی سیاہی
شب نیم میں ہوتا رول کی چاک خواہی خواہی
ہیں نخل جھکے یاں تو وہاں قلم شاہی
بسجھو تو یہ سب دیتے ہیں قدرت کی گواہی

قدرت کی زباں کہتی ہو ما اعظم ثانی
 ہر شب شبِ قدرت اگر قدر بدانی
 ظلمات نہیں جڑکی میاں بھی ہو یہی شب
 لہروں کی چمک جڑتی ہو افلاک پہ کوکب
 ساحل نہیں ہو غرقِ عروقِ رمدل کا مشرب
 کرتے ہیں وضو پڑھنا تے ہیں مکاں سب
 مصروفِ تلاوت ہو وہ پانی کی روانی
 ہر شب شبِ قدرت اگر قدر بدانی
 گھنگور گھٹا چرخ پہ کب چھائی ہوئی ہو
 بجلی یہ کہاں حد کی تڑپائی ہوئی ہو
 کب باد پھروں کی جیس سائی ہوئی ہو
 تاروں بھری، دن کو شبِ قدر آئی ہوئی ہو
 گردن ہو تھیں فرضِ اطاعت کی جھکا نی
 ہر شب شبِ قدرت اگر قدر بدانی
 ہو سہل کی شب خواہ جدائی کی وہ ہورست
 دونوں میں نہیں خضر دکھا دیتے ہیں ظلمات
 وہ جس سے کہ روشن ہو شبِ قدر کی آیات
 اس چشمِ حقیقت کی بھی شہباز ہو کیا بات
 پتلی نہیں اک نور کی ہو کل منشا نی
 ہر شب شبِ قدرت اگر قدر بدانی

حضرت شہباز کے رنگین خیالات
 مسی

لال لب - اودی مسی سب رنگ اکٹھے ہو گئے
 دیکھ کر یہ رنگ سب کے دانت کھٹے ہو گئے

بناؤ۔ میں گلوں کی مگر گیس گس مٹی کی کیا ہوں؟
 مجھی سے مجلسیں لیں مجھی سے مجلسیں حیراں
 اڑانا ہی مجھے رُخ رُخ پر فارسیں تبسم کا
 نہیں مگر نگاہیں کی گرچہ ہوں میں گاہیں ہوں کی
 حیرتوں کو منک ہیں جوڑا ہوں گونا گسری میرا
 نظر جس میں جالے۔ آئی ہو وہ ہر جھٹے میں
 مڑے ہیں گدگدی میں۔ زلف میں۔ رنگ میں۔ تلوں
 زوایوں میں۔ اول ثانی ثالث بھیں آنکھیں
 اگر تھے ہیں تو فرجہ راج۔ دونوں لب خامس
 وہ کجے توان برائن میں۔ یہ تو روشن ہو
 ہمارے مری بڑھتی ہری چین ناز و غمرے کی
 مری چٹکی تلے سارا سیاہی کا تہا انس ہو
 کئی ہر کی ہر گاہے، موتی سنگیا چائے
 فوج ہیں سرائے کے اکھوں ایک جنبش میں
 جیسے گرہن میں سر سبز سی اک شمس کی ڈگری
 کسی میں کہہ کر کس فوری، کس فروشی پر
 میں شام ہوں یا شام او وہ میں، قسطنطنیہ
 کتب خانہ کے ریت میں نکلیں اڑاتی ہوں
 سب کو نکالتی ہو گیس زبرد انوں کی
 میری تہہ جاتی ہوں میں زلف تبسم لب پر

لب تبسم پہلوں کے مٹی کی کس سی ہوں کیا ہوں؟
 ہر کینے میں میں جانی، مجلس میں کیا ہوں؟
 عافیتاں سرک پرستی فارس سی ہوں کیا ہوں؟
 نہیں کوی میں گدگدی سہلی اس میں کیا ہوں؟
 امیری رنگ ہیں چند ہر غلے میں کیا ہوں؟
 ذکی کس میں۔ یوں غلے میں جس سی ہوں کیا ہوں؟
 میں کس کے ساتھ ہیں، جس میں کیا ہوں؟
 ہیں بعد و لب اور ہر غلے میں کیا ہوں؟
 میں غلے میں کئی بیت کے لئے سادس میں کیا ہوں؟
 مگر یہ تباہ و عظمی ہوں یا حسی ہوں کیا ہوں؟
 ہو میری ہاں جو تیرے واراف میں کیا ہوں؟
 سیاہی میں میں اب اب ٹوٹاؤں میں کیا ہوں؟
 مذاق رنگ میں میں ہر شے میں کیا ہوں؟
 قلدان سخن میں چاؤے راجس میں کیا ہوں؟
 ورنہ مجھے میں شے کے دس میں کیا ہوں؟
 کبیل کس نہ سمجھوں میں جو کس میں کیا ہوں؟
 او فہمیل او ہر حال خولت میں کیا ہوں؟
 وہ کجے کورٹ میں میں دس میں کیا ہوں؟
 ولایت میں بہت کی سول میں کیا ہوں؟
 خدا جانتے ہیں پر تہہ میں کیا ہوں؟

لب لنگوں کے پیار ہاتھ سے ندوں میں ڈبتی ہوں
 ہر اک ٹپکی پر دو تو لعل لولیں بتیس لوں موتی
 ہر نگہ لعل کی خاتم پر مینا کا ریاں مہری
 مصائب کا سال ہو شام کی باتوں میں کھنچ جاتا
 بھاتی لالہ موتی لال کو ہوں اپنے پرے میں
 کھڑی کر دیتی ہوں آنکھوں کے آگے پد سنی لا کر
 جماتی ہوں سناٹ حسن بتیس مہروں کو
 سول ہوس کلب ہر گھر میں عشق باز و نکا
 رہوں غل غل ہر پھٹی ہون لاکھوں آنکھوں میں
 مرے آگے کسی کی ترش روئی چھپ نہیں سکتی
 میں پھٹی سانپ کی ہوتی ہوں ناشت شہادت پر
 کبھی کان اہر ہوں کبھی جوہر ہوں آہن کا
 سبکداری مری چھائی ہر نارہنی کے ہونٹوں پر
 پڑا ہر جھپٹہ یہ سر کا۔ گو بھاگیں وہ سائے سے
 نہ میرا پانی کی ہر نہ میرا پانی منسکی ہر
 بار چومتے ہیں مجھ کا کر گورے اور کالے

گر کئی میں سر کی گوجر کٹکس نہی کیا ہوں؟
 نہایت تپتی ہوں گرچہ لولٹا مس نہی کیا ہوں؟
 ڈلاک میں گونہ سونے گونہ رنگیں مس نہی کیا ہوں؟
 مصیبت کے بیان میں خیرت مونس نہی کیا ہوں؟
 ہر ک کوٹ کا لافنا میرے بوس نہی کیا ہوں؟
 دم جادو کا رہی شاعر جالیں سی ہوں کیا ہوں؟
 کلب میں عشق کے تفریح کو میں جس نہی کیا ہوں؟
 تکلف کے ذریعہ میں خاتم مس نہی کیا ہوں؟
 لبوں کے بیچ پر دو مضمر ناکس نہی کیا ہوں؟
 کہ تیوڑا نہ لیتی ہوں فکی اس نہی کیا ہوں؟
 زبان چسکی شکر سے لبوں کی ہر نہی کیا ہوں؟
 ہلٹن سی کھٹی ہوں اور کبھی اجس نہی کیا ہوں؟
 اٹھا سکتی نہیں سر شرم سے ناکس نہی کیا ہوں؟
 مسوں میں سائے مس کی بدوس نہی کیا ہوں؟
 نگہوری مس نہی کیا ہوں نکالی مس نہی کیا ہوں؟
 نہیں گولی مس نہی کھجی گولی مس نہی کیا ہوں؟

پتائیل ہر ہر شہبانہوں زینت کی چیزوں میں
 بتاؤ عطر، مہندی، سرمہ، کاجل، مسی، ہر کیا ہوں؟

ترکیبِ شہید سر سید احمد خاں مرحوم

از خیالات

مولوی عسید الغفور صاحب شہباز پر وفیسر سائنس اور ننگِ اُلامِ کل

زمانہ میں یہ غل ہے کس لیے شور و فغاں کیوں ہو
فغاںِ شہر میں لوں غنہ رفتہ کیوں ترقی ہو
تغیر میں طے ہیں کس لیے دیوار و در یکسر
کر و روناں غریبوں تم کو کیوں اٹھتے ہیں سینے تک
ہماری آہیں آئی ہو کیوں یہ رعد کی قوت
وہ ایسا کونسا گھوڑا لگی ہو آک یہ جس میں
وہ ایسا کونسا خرمن ہو جس پر یہ گری بجلی
بہا کر کے گیا کس شہر کو سیل فنا آخر
جہاز اپنا سلسل کس لیے یوں ڈمکاتا ہو
سلسل گہ و ناری یہ کیوں ہو آبشاروں میں
گہن میں اڑے پر جمع ذخیرہ چاند سورج کیوں
اندھیرا بن سے وال تک کس نے دنیا پر چھایا ہو

گلہ کیوں ہو شکایت کی بون و آستان کیوں ہو
تزلزل برائے سے اُس کے کل ہندوستان کیوں ہو
عمیاں ہر ایک فرسنگ گاہِ خون چکاں کیوں ہو
ہماری قوم کے سینے میں مضطر آج جاں کیوں ہو
ہمارے قلب میں بیتابی برق طپاں کیوں ہو
زمین سے آسمان تک سر بھر پھلاؤ صواعق کیوں ہو
یہ بیتابی سے ہر خرمین میں ہوتا ہوا خون کیوں ہو
یہ سیل گریہ اب ہر شہر میں طوفانِ نشان کیوں ہو
شکستہ کیوں ہو یوں لنگر پھاپوں بادبان کیوں ہو
تلاطم کیوں ہو دیا کو پہاڑ آتش فشاں کیوں ہو
یکایک اس طرح بگڑا قوامِ آسمان کیوں ہو
نفاشِ بین میں ان کو نہ چھپے یوں کہاں کیوں ہو

بلا یہ تو نظر آتی ہو ہر جہاں سے بڑھ کر
گہن سے، کل سے، طاعون، بھونچال سے بڑھ کر

ستمِ تازہ یہ ہم پر کر گئے سید احمد خاں

ستمِ تازہ نہیں کیا، مر گئے سید احمد خاں

وہ غم جو سرِ رستم کے اٹھائے اٹھ نہیں سکتا
کیا تھارفتہ رفتہ دل کو اپنے غم سے کچھ خالی
ڈالے سے بھلا وہ موت کے کپڑے ڈالے تھے
رہے بھی تو بہت مضطرب ہے قومی مصیبت پر
بھرے اب کوں دم اس کا ہی طیڑھی کھیر بھڑدی
نصرتِ اس محبت کے کہ اپنی قوم کے سر پر
نہیں غمِ دُعا کی جو زیرِ سماں اس بات کی شاہد
کریں آگے سے اپنی دیکھا کھیں الیقین حاصل
لے اس عمر پر قابلِ کوشاں بدعوض کا موقعہ
بہشت آنجا کہ آزارے نباشند لوگ کہتے ہیں
پاکِ ایک جُرمِ قومِ مردہ کو جلا سکتا

وہ اک کمزور سر پر دھر گئے سید احمد خاں
اُسے پھر اپنے غم سے بھر گئے سید احمد خاں
ہمارے کیسی سے ڈر گئے سید احمد خاں
گئے بھی تو بہت مضطرب گئے سید احمد خاں
دیم سیدی طرح کچھ بھر گئے سید احمد خاں
نصرتِ دین دنیا کر گئے سید احمد خاں
سماں پر نہیں نے زر گئے سید احمد خاں
خدا بخشے خدا کے گھر گئے سید احمد خاں
عرض بند کسوسے جو بھر گئے سید احمد خاں
مگرے وال بھی درد بھر گئے سید احمد خاں
یہ کہتے جانب کو زر گئے سید احمد خاں

وہ سید کبر جن کی دھوم تھی مشرق سے مغرب تک
وہ سید کبر جن کی دھماک تھی لندن سے یثرب تک

رہیگا زلزلے میں آہ سے عرشِ بریں برسوں
رہے گی قوم کی جانب نگاہِ واپسیں برسوں
رہے گا نقشِ یہ سرتِ فزاں بے نگین برسوں
رہیں گی فقط حیرتِ عشوہ پر و عوریں برسوں
لگا نیکی نگاہِ حورو و علماں جب کیمن برسوں
بہشتی نہر میں موجِ شرابِ دانگیں برسوں
خزائن کی طرح ٹھنڈے گی بہاںِ ریاسیں برسوں
چڑھے اُترے گی سو باران کی آستیں برسوں

رکھیں گے قدیوں کو غم سے یہ اپنے خیریں برسوں
نہ چھوڑیں گے وہ ہکود دیکھنا صرفِ حرمِ مذکر
یہ شے ہی بٹے گی دل سے ان کے قوم کی الفت
نہ دیکھیں گی توجہ ان کی جب اپنی طرف مطلق
کہیں مت میر کا ردل پر ان کے مستحِ پے گی
نظر آئے گی ان کی آنکھ میں سستی ہوئی ناگن
ولا کر یاد اُجڑنا باغ کا قومی ترقی کے
اٹھا بٹھلائے گی ہر بار قومی کام کی عادت

<p>خزیمہ ناز کی صورت رہیگا دلنشیں برسوں بیاں حسرت کھولے گی زلفِ عنبریں برسوں رہیگا ایک ایسے وقفِ سجدے میں جہیں برسوں زمانے کو سنانی دے گی یہ صلتِ خیریں برسوں</p>	<p>ٹہلنا اسکا قومی فکر میں خبت کے کمروں میں دکھا کر آبِ تابِ اٹھن کی نبی سیاہی کی سفارشِ قدم کی پھڑپھڑی مدِ نظر ہوگی پھر آخر خود کی حسرتِ زندہ آواز سے ملے</p>
<p>مجھے اے قوم تیرا بھرا باب ایسا ستا تا ہے کہ دشمن بھی مرے احوال پر آنسو بہاتا ہے</p>	
<p>کہ گھسے یا کہ دھرتے آج ایک انگیرِ جنت میں لگائے بوٹ میں سونے کا ایک مہینہ جنت میں داغِ داغ کی تقدیر ہو یہ فیزِ جنت میں کھڑا ہو کر یہ ہے اسچ آفتِ خیرِ جنت میں شائعِ استال گراہنی درو آمیز جنت میں کہے تفریقِ قومی کہ یہ جوشِ باغِ جنت میں سب اسکی رنگاری کے ہیں دستِ آویز جنت میں گھسیٹی اسے اک کرسی لگی وہ میرِ جنت میں قلم اسکا ہے بجلی سے زیادہ تیز جنت میں کہ تانستانِ ایل ہے کہ ہر فالیرِ جنت میں لقب اس کا پڑا ہے خسرو پرورِ جنت میں یہ مجنوں کی طرح ہر دم ہے شورِ انگیز جنت میں</p>	<p>خیر سب کو ہی یہ سینِ حیرتِ ریز جنت میں ٹہلنا ہے عجائبِ شائع کچھ سچ میں اپنے سلیقے سے کھلا ہوا باغ میں تہذیب کے لالہ ہوتے رومالِ حوروں کے اگر قومی مصیبت پر جدھر دیکھو ادھر جھپٹتے ہوں ہمدردی کے فوارے کہ قومی مدد پر باندھ لیں روہیں مقدس کل ہوئے تھے جہدِ جھوٹے بڑے تکبر کے فتوے عجب کیا پاس اپنے خیر و برکت کے خطوط آئیں چلا جاتا ہے کاغذ پر نہ رکنا ہے نہ تھمتا ہے پسند اس کو یہ لبِ تنہا خوری اس کی بلا جاتا جدا ہوتی نہیں اسکی نظر سے قوم کی کشمیری جو قومی نجد کا بن پھر رہا ہے اس کی آنکھوں میں</p>
<p>قراۃِ اصلا نہیں ہے عاشقِ بیمار کی صورت شہرِ عشق سے ہر دل کی ایڈنِ جاہ کی صورت</p>	
<p>وہ سرِ سید کہ جس کا دل نہ تھا، تھا خلق کا مہلک</p>	<p>وہ سرِ سید کہ جس کا سر نہ تھا، تھا عقل کا مہلک</p>

وہ سیرید کہ جس کی دُور میں رُخِ حُسن آنکھیں ہیں
وہ سیرید بہن آنکھ چس کو بٹھاتے تھے
وہ سیرید کہ جس کی ناطقہ بزمِ بلاغت میں
شجاعت کی اگر تقریر کرتا تھا سلیقے سے
بنانا تھا کبھی جب قوم کو مردہ تو وقت سے
زباں چلتی تھی جیسے تیغ چلتی ہو سپاہی کی
قلم اُس کا بعینہ کام کرتا تھا کلبِ سس کا
برابر دوڑتی بہتی تھی غور و فکر کی بجلی
اسی سے داد پاتے تھے خیالاتِ مصطفائی
مسلسل غل سے کل سسی سلاسل کر دے ساقط
وہ سیرید کہ جس کی نوکِ خامہ کے اشارے سے

بھتر کی شاعری سے تھیں دھن تپکیاں روشن
سمجھ کر دیوتا تعلیم کا کرتے تھے سب درشن
بجاتا تھا عجائبِ نشان سے تفسیر کا ارگن
تو یہم بولنے لگتا تھا میدانِ سخن میں رن
بہا دوتا تھا دریا آشوداں کا بزمِ مدفن
کسی کا اڑ گیا پہنچا کسی کی کسٹ گئی گردن
کتاب اُس کی نبی دنیا خیالات اس کے امرین
کبھی نیویارک میں ٹپٹی کبھی چمکی وہ جالندن
ادھر چارٹر ادھر کپلر ادھر ملٹن ادھر نیوٹن
ہوئے آزاد شرعی طور سے مذہب کے افرین
سمٹے ہی چلے آتے تھے دنیا بھر کے علم و فن

حدیث و تفسیر و کلام و فلسفہ حکمت
حساب و جبر و اقلیدس طبعی کیمیا ہیئت

وہ سیرید کہ جس کی زندگانی زندگانی تھی
بند میں قوم کے تھا جو بعینہ قلب کی صورت
وہ بچھے کی طرح اعصابِ راز تھا قوم کے تڑپ
رگ و پڑ میں کبھی وہ دوڑتا تھا خون کی صورت
عیونِ قوم کی تپلی اُسی کی خوش نگاہی تھی
چمک لکھی تھی اُس نے ہند میں اک لوٹ چندے کی
گورنر و ویراے اُس سے برابر اے لیتے تھے
اُسی کے دم سے سالانہ تھے غلی میماں آتے

حیات اُس کی ہماری زندگانی کی نشانی تھی
بھلائی تمام اعضا کی جس کی جانفشانی تھی
کہ جس سے جس کی از تر تار پاریشہ دوانی تھی
رواں پر و رواں کبھی اُس کی روانی تھی
لسانِ قوم کی بولی اُسی کی خوش بیانی تھی
بچا اُس کے نظاوت سے نہ راجہ تھانہ رانی تھی
اُسے حکام و اللہ بھی حاصل حکمرانی تھی
اُسی کے دم سے سالانہ وہ علمی میزبانی تھی

<p>مذہب بذلہ بنی تھی مذہب شعر خانی تھی گلاسوں سے اہل بیت غفل ز اجا و سبانی تھی یہ وہ اکبر تھا جس کو صلح کل مریم زبانی تھی وہ معنی کا سمند جس کی مشکل تھا پانی تھی</p>	<p>عیال رہتا تھا ٹیبل ٹاک سے تہذیب کا لہجہ خرد لب ریز تھی تحریک جام شدرستی کی یہ وہ لوہہ تھا جس کو قفل کل تھی عیسیٰ دواں وہ لفظوں کا شہنا و رفعت فلزم پار اُتر جاتا</p>
<p>اثر اعجاز کا تھا اس کے درد انگیز نالے میں خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں</p>	
<p>اگر بھروسہ ہی غور یہ مصیبت یادگار اس کی کہ کھجور کی تاپوری عمارت یادگار اس کی ضاحت یادگار اس کی باعث یادگار اس کی شریعت میں ہے گی ایک جدت یادگار اس کی رہبگی خویش و بیگانے میں غیبت یادگار اس کی رہبگی بدوں میں عقل و حکمت یادگار اس کی رہبگی بت پرستوں میں بدعت یادگار اس کی مناست میں ہے گی یہ طرافت یادگار اس کی رہبگی موت کو بھی حیسارت یادگار اس کی یک کل ز قفل میں ہوا پس کی قلت یادگار اس کی رہبگی حسن ایجاد و اخوت یادگار اس کی یہی قائم رہیگی تا قیامت یادگار اس کی</p>	<p>نہ ہا راجہ قوم ہمت، ہی بہت یادگار اس کی مناسب ہی کہ پر لہری عمارت صرف ہمت سے رہے گی جب تک کہ دوزباں ہی نہ ہیں راج نہیں بلکہ شریعت کوئی ثانی لے کے دنیا میں پڑھانا چاہتا تھا مدت دن اپنوں کو غیور سے ابھی تھا بولے رازی ابھی تھا نیوٹن و کپلر بنا کر قوم کو بت اس کی مسجد میں عبادت کی طرافت میں بھی کرتا تھا باروس متیں باتیں وہ کہہ دیتا تھا حق پر چند موت اس کو ڈرائی ہو فریقوں میں سے تھے تفرقے جتنے مٹا ڈالے کیا تھا اس نے پھلچا یاد اس دینی اخوت کو دلوں سے اس کے احساں کا تصور مٹ نہیں سکتا</p>
<p>یہ کیا لازم کچھ سنگین سلوں کی یادگار ہیں ہوں جہاں سنوں میں یوں نہیں دلوں کی یادگار ہیں مہل</p>	
<p>کرواب صبر بار و فوجہ و ماتم سے کیا ہو گا</p>	<p>اگرچہ غم ہی نہاں فرما کر اب غم سے کیا ہو گا</p>

و اس دیکھ کر تکیہ کن ٹھنڈک اس آنکھوں میں
لگا و زخم پر مریم جو چاہوز خم چھپا ہو
شفعا چاہو تو ہیں اب بھی ہزاروں عیسیٰ مریم
جو فوجی کام کرنا ہی تو یہ کم ہمتی چھوڑو
ہمیں دہم ہی دو، ہم کو نہیں بنیاد کی خواہش
چمن وقت سحر بر روز کیونکر جگمگا اُسٹے
مختی تھے ہاتھ پاؤں اس کے تم ہی سب کام کرتے تھے
ہاؤ ہاتھ پاؤں اپنے مختی ہو وقت کے رستم
دکھا سکتے ہو اب بھی اپنی قدرت اہل عالم کو
یہاں ہی زکریا کی حاجت جس طرح دلو اور جتنا دو
یہی ہی یادگار اس کی، کرو کالج کو مستحکم

درون نالہ پروردیہ چرمن سے کیا ہوگا
لگانے سے جو بھاگو گے تو پھر مریم سے کیا ہوگا
نہ چاہو جب تحقیق عیسیٰ مریم سے کیا ہوگا
زیادہ بھی یہاں کم ہی بھلا اس کم سے کیا ہوگا
مگر دے تو چلو، پھر پوچھنا درہم سے کیا ہوگا
اگر پوچھا کریں گل قطرہ شبنم سے کیا ہوگا
غلط سمجھے ہو گئے سمجھے ہو تم اب ہم سے کیا ہوگا
ہلائے گرد و ست و پاؤں پھر رستم سے کیا ہوگا
مگر دل پر تو رکھو قدرت و عالم سے کیا ہوگا
حصول اس سدا کو بحث کیف و کم سے کیا ہوگا
بنائے یادگار عین مستحکم سے کیا ہوگا

عمارت علم کی ہر عرش تک اس کو اٹھا چھوڑو
مسلمانو! اسے تعلیم کا کعب بنا چھوڑو

زیادہ اب نہ دلیں قدم کے اعیان و نشان میں
نہ ہوں یوس فروش ہوں آریہ لا تقطعوا طرہ حکم
نیشد بجنہ بطن کی مکر شان و کھلا میں
کہ درہیں شبلی دانا کہاں ہیں مالی خوشگو
کہ در شقائق ہیں شقائق ہیں انکی بھی سب آنکھیں
کہاں ہیں آفتاب علم مولنا نذیر احمد
سمیع اللہ صاحب ہی آئیں گروہ سنتے ہوں
یہ وہ دونوں ہیں جتنے سید احمد خاں کے دو بازو

مناسب ہی تلافی کے بھی اب کچھ جمع ساماں ہیں
پڑی ہیں شکست خیزی فیتیں ہر سب آساں ہوں
مشید تاکہ اس قومی عمارت کے سبب کاں ہوں
یہ ہی بجز تدارک، باغ قومی میں غزل خان ہوں
کہ محرمود ہیں اب تاقی محمود و دواں ہوں
شما عوس و فانی مرقن ہندو دی سے تاباں ہوں
کہ شیخ مجاٹھ کھڑے نامولی احمدی علیخان ہوں
عجب کیا عالم غلوئی میں بھی وہ انہی نازاں ہوں

نہ عمارت کی شکست خیزی سے تاباں ہوں

بھلا دی جائیں نمایاں ہر گز ششہ گزشتیں کل
اکھاڑے میں عمل کے انتظامی زور دکھلا میں
کہیں چندے فراہم طرح دامن میں ہوں ان کے
ہو یونیورسٹی چندے سے پھر اس شان کی تمام

مضامین کمزور بہا ہر زیر طیف نسیاں ہوں
بڑھیں میدان میں علمی قدم سے گرم جولاں ہوں
گرہ میں جھنڈے خورشید کے لعل بدخشاں ہوں
کہ یورپ کے بھی سب جس سے دے قومی دبستان ہوں

علی گڑھ میں جو دارالعلم کی برپا عمارت ہو
ولایت ہند کی بھی کیا عجب شک ولایت ہو

قوی سے فعل کے عالم میں گریہ یاد گار آئے
خدا کی ہوئی پھر جیسے دروازے سے گلشن کے
گلے میں ہر شجر کے ہو پڑی پھولوں کی اک بدھی
لپٹ پھولوں کی جائے آسمان تک کیاری کیا رہی
نظر جس پڑ پڑالیں دکھائے قدوہ بوٹا سا
نئی سرسبز نوں سے شاخ پر ہو جلوہ گر طوطی
چمن میں مکے کھل جائیں عقل و ہوشیاری کے
وہ مٹی ہو جس کے ہر جڑ سے تقویٰ کو طہارت ہو
ہو سستی پر نہ وہ ہو سر سے جس کے دوسرے چٹا
یہی جنت وہ ہے جس میں کہ خوش ہو روح سرسید
نہ ہو شاداب لبت کی ترقی کا چمن جب تک
رُکی جب اس چمن میں ہو ہوا قومی ترقی کی

مبار کیا دودھ کا ہو اخذ روزگار آئے
نکلے ایک گلوٹ جہن میں پھر بہار آئے
چمن میں آئے جو بوٹا لیے پھولوں کا ہار آئے
پھلوں سے بوجھ سے جھک کر زمین تاشا خسار آئے
نگہ جہن چھل چھلے نظر وہ گلزار آئے
ہزاروں بیویں سے کان میں صوت ہزار آئے
جہاں انسان مارگو ہوش جائے ہوشیار آئے
وہ جڑ سے ہو حرم میں جس کا زاہد جڑ خوار آئے
نشہ ہو پر نہ وہ لپٹا ہوا جس سے خمار آئے
ہیں پھرے تو اس کے قلب مضطر کو قرار آئے
پسند اس کو کہاں جنت کا باغ خوش بہار آئے
تو پھر اس باغ میں کیونکر نسیم خوش گوار آئے

اگر ہر قوم کو راحت تو سب سے بھی راحت ہو
یہاں بھی اُس کو جنت ہو وہاں بھی اُس کو جنت ہو

اکی سید احمد خاں کو بنیم خاص میں جاوے

تجلی گاہ قدرت کا تماشا اُس کو دکھلا دے

بساطِ قرب پر تو اُس کو مازوں الشفاعت کر
 وہی ہو جائے جو چاہے وہ اپنی قوم کی خاطر
 جگہ دے اُنکو جو ہوشِ اغفلت میں پڑے سوتے
 اُنہوں ڈوبتے نجدِ جاہ میں بھلا دے ساحل پر
 نہیں وہ چاہتا شاہین جھکا دے سیبِ نرناں کی
 نہیں وہ چاہتا خاطرِ یابی گزک آگے
 نہیں وہ چاہتا اُنکو کھسکے آگے حور کا جلو ا
 نہیں وہ چاہتا خدمت کو ہر دم نازین غلام
 وہ عاشقِ قوم کا ہی قوم کا اُسکی وہ دے دولت
 وہ نیک ملک ہو ملک کو اُس کے وہ دے ثروت
 جہاں ہیں عاشقانِ قوم اُس جہاں سکودے کُرسی
 دکھا حور کے جبرِ نبش میں یوں ناز و خشن اُس کو

عطیے خاص سے ہمت میں اُس کی زور اتنا دے
 خزانوں سے تری جھٹکے جو چاہے وہ دلوادے
 جو بیٹھے ادگتے ہوں کاہلی سے اُنکو جو بکا دے
 بھٹکتے ہوں اگر میدان میں منزل پہ پہنچا دے
 نہیں وہ چاہتا شہِ عرب کا منہ میں ٹپکا دے
 نہیں وہ چاہتا شد و لبِ تے جام چھلکا دے
 وہ بجلی جو تڑپ کر قلب کو سینے میں تڑپا دے
 کہ جن کے عارضِ نگین کو غربت بڑھکے بوسا دے
 کہ جو دونوں جہاں میں لے کے سگد اُس کا بھلا دے
 کہ کیسا جی پُرانی اور نئی دنیا کو پکڑا دے
 یہ کیا لازم کہ اوں بھی صحبتِ نابھلینا دے
 الٰہی عاشقوں میں تو بسا صدرِ انجمن اُس کو

پروفیسر شہباز کے خوش طرزِ مدحت طرازانہ خیالات

(مناظرہ ابرو و بحر)

ابرو و بحر آورد گوہر ز اصف
 گرفتول افتد ز ہے غر و شرف

(۱) تمہید

ہو مبارک کہ ممی ختم ہوئی جون آیا
 خوب برسات کا ہوا ب تو ستارہ چمکا

ٹھنڈی ٹھنڈی چہر میں چلتی ہی ہوا
 مطلعِ مین پر خوبی سے نمایاں ہی سہیل

روشنی چاند ہی کی سامنے اس کے نہیں ماند
ایکڑ بھر نہیں پر ہر فلک پر ہر ابر
گر ادھر بھر کی رگ رگ میں جوانی کا ہر چش
بھر غصے میں نہ کیوں رعد کی صورت گرے
خفتگیں یہ ہر توپیں اُس کے بھی تیکھے تیور
منہ اندھیرے سے لڑائی ہر بلا کی تائیم

نظر آتا ہے سورج بھی ہو دھندلا دھندلا
گر نظر ہو تو ہو دلچسپ تھپیڑ دُنیا
تو ادھر ابر کا عین بھی ہر اُنڈا اُنڈا
اب غصے میں اگر برق کی صورت لپکا
بھر کے منہ پہ ہر کف ابر ہی نیلا پیلا
رات کے بھی توجکے نہیں جھگڑا چلکا

(۲) مناظرہ

ابر کتنا ہی چڑھے، تو بھی ہوں تجھ سے بڑھک
ابر کتنا ہی کٹھنی میں ہی میری ندی
ابر کتنا ہی کہ دامن میں ہی میرے موتی
ابر کتنا ہی کہ خوش رنگ ہی میرا نیلم
ابر کتنا ہی کہ بارش ہی مری گوہر پاکش
ابر کتنا ہی میں ہوں نامیہ کی نام و نمود
ابر کتنا ہی کہ سرسبز ہی مجھ سے جنگل
ابر کتنا ہی کہ دھرتی پہ ہی میری کھیتی
ابر کتنا ہی کہ ٹٹی پہ ہیں میری بیلیں
ابر کتنا ہی کہ سبھا ہوں، جو اپنے میکش
ابر کتنا ہی میں آنکھ میں نشے کا ہوں عروج
ابر کتنا ہی میں جل ہوں بصارت افروز
ابر کتنا ہی کہ مجھ سے ہی یہ مُنبل مشکیں
ابر کتنا ہی کہ مجھ سے ہی گل لالہ لال

بھر کتنا ہی چڑھے، تو بھی وہی تو ہی گھٹا
بھر کتنا ہی کہ قبضے میں ہی میرے مونگا
بھر کتنا ہی کہ پاکٹ میں ہی میرے مونگا
بھر کتنا ہی کہ خوش آب ہی میرا ہیرا
بھر کتنا ہی کہ ریش ہی مری گوہر ز ا
بھر کتنا ہی میں ہوں نامیہ کی نشوونما
بھر کتنا ہی کہ سیراب ہی مجھ سے صحرا
بھر کتنا ہی کہ کھیتوں میں ہی میرا غلا
بھر کتنا ہی کہ سیلوں میں ہی میرا گھا
بھر کتنا ہی کہ امت ہوں، جو مانگے پیاسا
بھر کتنا ہی میں آنکھوں میں ہوں خود مری کی نشا
بھر کتنا ہی میں سرسبز ہوں بصیرت افزا
بھر کتنا ہی کہ مجھ سے ہی یہ نرگس شہلا
بھر کتنا ہی، ہی مجھ سے گل سوسن گویا

ابرکتا ہی پھلی کی ہو مجھی سے تسبیح
 ابرکتا ہی کہ منہ میں میٹوں کلیوں کے نباں
 ابرکتا ہی شبک بار ہو میرا ہاتھی
 ابرکتا ہی کہ ہوں سائرہ سیروانی الارض
 ابرکتا ہی تو پابند ہی میں ہوں آزاد
 ابرکتا ہی کہ اعلیٰ ہوں میں تو ہوا سفل
 ابرکتا ہی کہ پوتا میں ہوں دادا خورشید
 ابرکتا ہی کہ ہو باپ سے بیٹا بہتر
 ابرکتا ہی سلیمان کو میں ہوں تخت نمون
 ابرکتا ہی ملا برق سے گنجینہ زر
 ابرکتا ہی کہ لے رعد کی آئیں تو ہیں
 ابرکتا ہی یہ لے برق کی نکلیں تمنیں
 ابرکتا ہی اگلنے کو ہو گرداب لہو
 ابرکتا ہو توبہ خاک سے پیٹ اپنا بھر
 ابرکتا ہی کروں گا نتختے پانی پانی
 ابرکتا ہی اڑا دوں ترے دم میں دھوئیں
 ابرکتا ہی نہ کہ مجھ سے زیادہ بڑ بڑ
 ابرکتا ہی کہ شاید تری موت آئی ہو
 ابرکتا ہی کہ تجھے سے مرے ڈر تارہ

بحرکتا ہی پھلوں کا ہو مجھی سے سجا
 بحرکتا ہی ہوں کاؤں میں میں پھلوں کے صدا
 بحرکتا ہی شبک سیر ہو میرا گھوڑا
 بحرکتا ہی کہ ہوں عابر کن فی الدنیا
 بحرکتا ہی کہ آزاد ہو پابند ہوتی
 بحرکتا ہی تو اضع سے ہو اسفل اعلیٰ
 بحرکتا ہی کہ میں باپ ہوں تو ہو بیٹا
 بحرکتا ہی کہ دادا سے ہو بہتر باوا
 بحرکتا ہی میں جمشید کو ہوں جام نما
 بحرکتا ہی لگا رعد کا بھی ہو دھڑکا
 بحرکتا ہی تو لڑکوں کو پٹاؤں سے ڈرا
 بحرکتا ہی تو بچوں کو تماشا دکھلا
 بحرکتا ہی نکلنے میں ہو گرداب بلا
 بحرکتا ہی جیا چاہے توجی پی کے ہوا
 بحرکتا ہی کروں گا بجتے قطرا قطرا
 بحرکتا ہی جھکا دوں گے تجھے دم میں کوا
 بحرکتا ہی کہ بس بس نہ زیادہ طرا
 بحرکتا ہی کہ معلوم ہو چل چل ابلے جا
 بحرکتا ہی کہ خورشید کا پھیروں پہنجا

ابرکتا ہے لے اب اپنی جگر گردن کی
 ابرکتا ہے لے چپت ہو گیا ایلان تو چھوڑ
 ابرکتا ہے کہ ہی جوشِ ندامت کیا کم
 ابرکتا ہے کہ دھوکے سے گرایا تو نے
 ابرکتا ہے کہ اب تو نہیں ہوتا میں زیر
 ابرکتا ہے کہ جاؤں گا تجھے چپت کر کے
 ابرکتا ہے کہ شیروں کو ہوا سے کیا کام
 ابرکتا ہے کہ بیودہ نہ کریوں فقریر
 ابرکتا ہے کہ شیخی ہی دلیلِ ہمت
 ابرکتا ہے کہ بزدل نہیں شیخی کرتے
 ابرکتا ہے کہ ہم تو نہیں تجھ سے ڈرتے
 ابرکتا ہے کہ دل غیب ہی تو کیا جانے؟
 ابرکتا ہے کہ اندر سے فراست تیری
 ابرکتا ہے تجھ ہی یہ رفعت کی دلیل
 ابرکتا ہے نہ کہ پست کسی کی ہمت
 ابرکتا ہے کہ اک فتح پہ اتناست پھول
 ابرکتا ہے کہ کیا فتح نہوگی حاصل؟
 ابرکتا ہے کہ کیا ایک ہی سچا تو ہی
 ابرکتا ہے تو عاشق ہی تو ہوگا مجنوں
 ابرکتا ہے کہ لے ناقہ لیلیٰ میں ہوں
 ابرکتا ہے کہ لیلیٰ نہیں تجھ سے راضی

بحرکتا ہے لے ایلان کی خیر اپنی منا
 بحرکتا ہے تیلی سے تو کر لے تو با
 بحرکتا ہے ندامت ہی تو میں نے بخشا
 بحرکتا ہے نیا تو نے یہ کھا یا دھوکا
 بحرکتا ہے کہ چل جا، اے جا جا، اے جا
 بحرکتا ہے کہ کچھ دیر ہوا کھا کے آ
 بحرکتا ہے کہ گر شیر بھی ہو دم کو دبا
 بحرکتا ہے یہ ہی شیخی بے جا کی سزا
 بحرکتا ہے کہ شیخی ہی شمارِ حمقا
 بحرکتا ہے کہ ڈرپوک ہی شیخی خورا
 بحرکتا ہے کہ دل میں تو ہی بیشک ڈرتا
 بحرکتا ہے فراست سے ہی جانا جاتا
 بحرکتا ہے کہ اندر سے تجھ تیرا
 بحرکتا ہے تجھ ہی یہ پستی پہ چھکا
 بحرکتا ہے کہ ہمت ہی تو پستی پہ نہ آ
 بحرکتا ہے کہ بے نسخ نہ اتنا اترا
 بحرکتا ہے کہ جب تک نہو سچا دعویٰ
 بحرکتا ہے کہ سچوں کا ہوں عاشق سچا
 بحرکتا ہے بُرا کیا ہی ملے گر لیلے
 بحرکتا ہے رخِ یار سے پردہ تو ہٹا
 بحرکتا ہے شتر غمروں سے ناعق نہ سنا

ابرکتا ہی کہ الغام تو دلو پہلے
ابرکتا ہی کف حاتم طائی تو نہیں

بحرکتا ہی کہ نقد دل و جاں تک لے جا
بحرکتا ہی ہیں ہوں دست و تار الامر

(۳) ملح

وہ امیر ابن امیر، ابن امیر، ابن امیر
روفتیں جس کی مارت میں ہیں جنت جنت
راے سے اسکی ہزاروں ہیں فلاطوں ظاہر
ہر سکندر مگر اُس کو مہر ملی خضر کی عمر
جلوہ آرا ہیں خیالات کے لاکھوں ممبر
فکر کہتے ہیں جسے، ہیں عقلا کے زمرے
عقل کل عقل نے بس اس کے بطل میں پائی
علم نے اُس کی جبین پر ہو چھائی کرُسی
دیکھ کر عقل کا عرش اور حزد کی کرُسی
خلق سے اُس کے ملک سیکھتے ہیں عادت نیک
اُس کی تقریر سے ظاہر ہو بلاغت کی شکوہ
عہد میں اُس کے کچھ اس درجہ ہو راحت پھیلی
گدگد سی جان کے بسیا ختم نہیں دیتا ہر
تبیغ تنبیہ ہی چوروں کے لیے قطع النسل
زخم سے چور شفا خانوں میں ہر زخم کا چور
شمع کا چور ہو حسرت کے بہاتا آسنو
نکتہ چیں بن کے نظر جاتی ہو جس صیفیہ پر
گیر عداوت پہ نظر کیجیہ انصاف یہ ہی

وہ رئیس، ابن رئیس، ابن رئیس، ابن رئیس
خوبیاں جس کی بایست میں ہیں طینی طوبی
عقل سے اسکی کروروں میں ارسطو پیدا
کیا ہی چشموں سے اُبلتا ہی پڑا آبِ بقا
اور آرا کے کروروں ہی ہیں مجلس آرا
ذکر کہتے ہیں جسے، ہیں طبقات فصحا
کہ دماغ اُس کا ہو ہر ایک فلک سے اعلیٰ
وہ دماغ ہمہ داں عرش حزد ہی بخدا
ملکی خلعت کے کرتے ہیں ملائکہ سجدا
عقل کو اسکی ہیں الامام سمجھتے عقلا
اُس کی تدبیر پہ قائم ہو متمدن کی بنا
گل کے بھی دل میں نہیں خار کا باقی کھٹکا
چھیڑتا پھول کو بھولے سے اگر ہو کا مٹا
نام باقی نہیں دینا میں کہیں چوری کا
حسن کے گھر میں ہو آغشتہ بخوں دوزخنا
آنے والا ہو کوئی دم میں فنا کا جھوٹکا
پانی صحت سے قریں اُس کا ہو نقطہ لفظا
گرد کو اسکی پہنچنا نہیں عدل کسریٰ

دستِ قاضی میں تلم ہو کہ یہ میزان العدل
 گر عمل نیک ہو آدھے کی جنا ہو پوری
 کو نوالی کو جو دیکھو ہو نگہاں کی نظر
 بہ جہاں جتنے نہیں اُن میں شیخت مطلق
 بخت کی طرح شب و روز ہو ناظم بیدار
 کوئی ٹکسال ہو کہتے ہیں جسے تعلیمات
 دلکشاشہر میں حکمت کے مدارس نہیں
 علم کو یہ وہ ترقی کہ خوشی کے مارے
 بچے بچے کو یہ قدرت کہ وہ کر دے ثابت
 کر لیں گھر بیٹھے ہوئے سیر یہ دُنیا بھر کی
 باندھ دے کیوں نہ عمارات کا پل تعمیرات
 معذینات جسے کہتے ہیں ہو وہ کامل
 کائنات کو ہے کی ہیں ہے سے بناتی چاندی
 جس طرف دیکھی ہو راہ تجارت کی کھلی
 مرغ دولت طمع دانہ میں کیونکر نہ پھنسنے
 ماب میں چار طرف دوڑ رہی ہیں ریلیں
 تار برقی نہ کہو اس کو یہ ہو روح امیں
 ڈاک فوں میں اُترتے ہیں صفیہ شب و روز
 نقشہ کوتاہ ہیں اوصاف اضافی بھی بہت

فیصلہ ہو کہ ترازو میں عمل ہو تلتا
 گر عمل بد ہو تو تھوڑے کی ہو تھوڑی ہی سزا
 ہر نظر کرتی ہو یاں کام نگہبانی کا
 ہیں امیں جتنے نہیں اُن میں حیانت اصلا
 موت سے باندھ کے اب شرط ہو فتنہ سویلا
 کہ کھٹا کھٹ ہو ہر اک علم کا سکہ ڈھلتا
 جن کے ہر کوچے میں آباد ہیں یکسر حکما
 اپنے جلے میں سکتے نہیں پھولے علما
 آب کی طرح مُرگب نہ کہ عنصر ہو ہوا
 کہ ہو جغرافیے سے نہ یر قدم امریکا
 ہو بڑے جوش پہ انجینیری کا دریا
 کیمیا کا جسے معلوم ہو سچ سچ لسنخا
 کائنات کوئلے کی ہیں کوئلے سے بناتی ہیرا
 جس طرف جلیے ہو کام سیاحت کا روا
 دام سڑکوں کا ہو سہرت زمیں پر پھیلا
 انجنوں کے ہو بھری سہریں ترقی کی ہوا
 سمجھو پیغام نہ اس کو یہ ہو وحی یوحی
 ڈاک والوں کی زباں پر ہو چڑھا نزلنا
 وصف ذاتی ہیں مگر وصف اضافی سے سوا

آؤ مروج کا تخیل سے فوٹو کھینچیں	نہ ہو نقل سائز تو ہو بسٹ نہیں تو چہرا
---------------------------------	---------------------------------------

(۴) چہرا

<p>زلف کا اُس کے نہیں سر پہ جیس کے سایا پیر کھنچیں اُس کی کہ دوزک لیے ہیں شمشیر کان سرگوشیاں کرتے ہیں گل مضمون سے اُس کی بینی کہ ہو خود بینیوں سے یکسر پاک دونوں رخ آتے ہیں غیرت کے ہارل رخ سے نظر مونچھیں ہاتھوں میں لیے اپنے ہیں دود و خنجر ہر ذوق صاف کہ آئینہ اسکندر ہو سامنے آئے تو منہ پر ابھی مریخی چھا جائے موسے عارض نہیں ہیں ہم میں زنگی فوجیں دولت آباد پہ باغزم علار الدیں ہو</p>	<p>پلٹی ہو صبح سعادت سے مسرت کی مسا اُس کی آنکھیں ہیں کہ دوست لیے ہیں مینا ہیں ہرے جیس بہ پراپہ خوشبو معنی کارڈ ہو جس پہ کہ فوٹو ہو کھنچا غیرت کا ہو تصور نے نئے رخ سے یہ فوٹو کھنچا جگر و دل کی نہیں خیر ہو بھاگیں اعدا ایسے آئینہ میں کب بال بھلا ہو زیبا اپنا منہ دیکھ کے سبب آپ ہی جاے شرما ہونے والا ہو شہریم حلب پر دھاوا دست کا فویر میں ہو فتح و ظفر کا جھنڈا</p>
--	--

(۵) دعا

<p>وصف مروج کو دیکر ہو فرصت شبناز پیر مناسب ہو کر دل فکر دعاے دستور جب تلک قصر حکومت میں ہو دولت کی کینز یا آئی ہیں ہی دولت رہے قدموں سے لگی</p>	<p>اور فرصت ہو یہاں اپنے حسابوں عنقا ہاتھ اٹھا کر کہ ہو ٹھیرا لیں ہی دستور دعا جب تلک اوج سعادت پہ ہو اقبال ہما رہے اقبال کا یارب یوں ہی سر پر سیا</p>
---	---

پروفیسر شہباز کے جرنیل درجہ خیالات

ریل

ناک ہر ایک کی لوہے کی ہے، لوہے کی نیکیل
 دیکھو میل کو اکٹھوس کچھ اس درجہ ہی میل
 دونوں ماتھوس آفٹن جبکہ چلاتا ہی غلییل
 باغ صنعت میں انھیں کی ہی ملے ہوئے ہستی بیل
 کبھی مالش کے لیے مانگتے ہیں تھوڑا تیل
 ٹھیل ہزار ان کو شب و روز کی بھی گر ہو دھیل
 لیں یہ بے چین جیس دشت کی ٹکلیفیں جھیل
 صاف گھڑیاں ہیں دیبا میں دیں ان کو دھیل
 لہجے آتا ہی انھیں پرتو ولا بستہ کا میل
 عملی شاخ میں اسکی یہ کہیں بھی نہوں فیل
 شمع افروز شہستان شنائی دھیل
 چلتے میں کس نے کہا اونگتے کو دیتے ہیں ٹھیل
 ہی تماشا کہ انھیں وہ بھی ہواک اٹے ٹھیل
 اس سے ہول میں مباحث کے ہی ہر جنس کا میل

دیکھی ہی عجب طرح کی اونٹوں کی قطار
 سڑکیوں کی ہر وقت وہ باہم ہی ملاپ
 سینے ٹھیکٹے پہ ہیں غلوں کی طرح
 زور نمانی سے یہ چڑھ جاتے ہیں ہر چوٹی پر
 پیٹنے پانی ہیں فقط کھاتے ہیں کڑھی کو لا
 جلتے ہی نہیں یہ، کہتے ہیں تھکنا کس کو
 سختیاں کوہ کی بے عذریہ کر لیں بروشت
 ہیں پہاڑوں پر یہ رکچہ اور ہیں میداں میں بزن
 لڑکے جاتی ہی انھیں پرتو ولا ست کی ڈواک
 جانور ہیں، ہی مگر ان پر عیاں جرنیل
 بحر زخار میں ہیں ان کے ہنر کے قابل
 ان کے چلنے سے ہی سونے کو بہانا ملتا
 سختی ہی تھے کہ ہیں دنیا کی طنا میں کھینچتی
 ان سے بانہ تجارت میں ہی میل کی جس

سارباں ہی نہ شتر خانہ نہ اونٹوں کی قطار
 نکیو شہباز کی گھر گھر ہی چلائی ہوئی ریل

پروفیسر شہباز کے تہنیت آمیز خیالات

۷۱۵۹

نظام دکن کی سالگرہ

چمن میں نخل چمن ہو چمن کی سالگرہ فتن میں مشکِ فتن ہو فتن کی سالگرہ
عدن میں دودھِ عدن ہو عدن کی سالگرہ یمن میں لعلِ یمن ہو یمن کی سالگرہ

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

سپر میں بھل ہو تیغِ دودم کی سالگرہ ہلال میں ہو ستارہ علم کی سالگرہ
کنڈ میں ہو گرہ بیچِ دخم کی سالگرہ کمال کے دل میں ہو پیکارِ ستم کی سالگرہ

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہر مشیتِ غنچہ میں زرِ برگِ ترکی کی سالگرہ ہر غنچہِ نامیہ بارور کی سالگرہ
شہرِ شاخ پہ شاخِ شجر کی سالگرہ شہر میں تخمِ شہر ہو شہر کی سالگرہ

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

جو سر ہو دوش پہ دانشِ ہنر کی سالگرہ ہر آنکھِ چہرے پہ دانش کے سر کی سالگرہ
ہر تپلی آنکھ میں نورِ نظر کی سالگرہ نظریں نو ہر لختِ جگر کی سالگرہ

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

دلوں میں لکے جوہرِ ناز کا خیال گرہ بھنوکوں میں ڈالتے ہیں شوخِ خوشِ جمال گرہ

اداسے موتی پر دتی ہر بال بال گرہ کہ ناز و عشوہ کی رہاں (دھوم سے ہوا لگدہ

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہو زلفِ سالگرہ منہ پہ ماہ پاروں کی ہو خالِ سالگرہ گال پر عذاروں کی
ہو ماہ سالگرہ رات کو ستاروں کی ہو مہر سالگرہ دن کو چاند تاروں کی

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

سماں میں جامے میں مٹھون کس طرح پھولے حبابِ نوز کے دو بحرِ حُسن میں اُبھرے
کھلا یہ مٹھدہ جو پچھے تھے دو برس پہلے ہو اُن کی سالگرہ خیر سے جو ان ہوئے

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

اڑاں پکار دی ہر سو خدائے واحد کی کہ جس سے کھل گئیں باجھیں ہی شیخِ وزاہد کی
جھلک وضو نے دکھائی شراب و شاہد کی منائی سالگرہ گنبدوں نے مسجد کی

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

خدا کی شیخ نے جب سال بھر عبادت کی دکھائی گٹھے سے بھدوں نے زیب طاعت کی
جیسے پہ پھیلے نہ کیوں روشنیِ سعادت کی کہ آئی سالگرہ شیخ کی ریاضت کی

مگر ہو ایسی کہاں سبھ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظامِ دکن کی سالگرہ

ہو دستِ شیخ میں تسبیح وہ جو اک رنگیں کلاہٹوں سے ہو جس کی ریشمی تزیین
ہو کہنتی شیخ سے ہر پھر کے بالِ باعلیں ہو گر چہ سالگرہ تیری ایک سود سوسیں

مگر ہو ایسی کہاں شہ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

وہ ٹٹی جس پہ کہ بلیں میں نکل گیسوئے حور
نہیں آئے وہ کہتے ہیں یوں زراہ سرور
ہو بیٹی جس میں شہزادی ہیں کل نشے میں چور
چمن میں سالگرہ و حنت رز کی ہوا انگور

مگر ہو ایسی کہاں شہ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

پڑی کہیں جو گرہ ایک فز شکر کی ہو
پرورش میں کلامی سے سال بھر کی ہو
گلاب میں کسی سبائے نے کے ترکی ہو
کصاف سالگرہ و قند کی شکر کی ہو

مگر ہو ایسی کہاں شہ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

ہی نہر میں وہ جو مشہور سال کی لکڑی
اسی گرہ سے تو بچتی ہو جنگلوں میں خوشی
ہر ایک سال نئی اُس میں ہو گرہ پڑتی
کہ سال سالگرہ ہو گرہ سے جنگل کی

مگر ہو ایسی کہاں شہ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

بھنور کے دیکھا اگر خط و خال مگر ہیں
جو سطح آب پہ پھیلائے جال گرہ ہیں
یہ زلف موج نہیں بال بال گرہ ہیں
نہیں ہیں جال یہ دریا کی سال گرہ ہیں

مگر ہو ایسی کہاں شہ لگن کی سالگرہ
ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

ہو اب میں اڑتے گرہ باز کچھ کبوتر ہیں
گرہ ہو اب میں لگاتے ہیں لوگ شہر ہیں
کمال کرنے میں بیشک طلسم پیکر ہیں
کہ سالگرہ ہیں مجسم کئی ہوا پر ہیں

مگر ہو ایسی کہاں شہ لگن کی سالگرہ

ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ
 فلک کی سالگرہ چاند چاند کی دھرتی
 زمیں کی سالگرہ کوہ کوہ کی چوٹی
 دھرتی چوٹی کی چوٹی کی شلخ اور ٹہنی
 کی نہیں ہو زمانے میں سالگرہوں کی
 مگر ہوا ایسی کہاں بھلگن کی سالگرہ
 ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ
 جچی ہو آکے جو لوگوں میں دھوم دھشن کی
 ٹھنی ہو آکے جو مندر کے جی میں ٹھن کی
 لگی ہو آگے جو ماتھے پہ ٹیکے چندن کی
 ضرور سالگرہ ہو کسی برہمن کی
 مگر ہوا ایسی کہاں بھلگن کی سالگرہ
 ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ
 کبھی ہو عارض رنگیں پہ مثل خال گرہ
 کبھی طفیل میں ہو گیسوؤں کے جال گرہ
 لگا رہا ہو جو شہباز کا خیال گرہ
 گرہ نہیں ہو عروس سخن کی سالگرہ
 مگر ہوا ایسی کہاں بھلگن کی سالگرہ
 ہو جیسی آج نظام دکن کی سالگرہ

مولینا شہباز کے نورانی خیالات
 نئے بچوں کے دانت کیوں نہیں ہوتے

یہ اس نظم کا دوسرا حصہ ہے جو ننھی مٹنی شاعری کے عنوان سے کچھ برس ہوئے ادھر پنج
 میں چھی مٹی جس میں ایک مصوم لڑکی نے اپنے ننھے بھائی کے منہ میں دانت نہ دیکھ کر
 بھولے پن سے خدا کے پاس عرضی لکھی مٹی

پاس خدا کے اُس بچی کا
 سوہ لیا دل طرزِ ادا نے
 عامہ قدرت ہاتھ میں لے کر
 اے معصوم اے پیاری بچی
 چاہتی ہی یوں میری مرضی
 لیکن یاد رہے یہ تجھ کو
 پر اس میں اک بھید ہو گرا
 وقت کا ہی یہ رستہ تکتا
 وقت سے پہلے کام اگر ہو
 سچ ہو منہ میں دانت نہیں ہو
 دانت ابھی گراس کے بنا دوں
 ایسی غذا تو بچ نہیں سکتی
 روئی گوشت سے پُر جو دہن ہو
 دانت لگیں گر چکی د لے
 انٹریوں کو آفت میں ڈالے
 بچنے نے منہ بن دانت کا کھولا
 بالا ہی بن دانت کا بوڑھا
 دل کی صدف میں بس نہیں سکتے
 انہوں یوں غمِ شمس ہو چٹھہ بولو
 خوش ہو وہ اپنی عالمیت پر
 کام زباں ہو وودھ سے رکھتی

لے کے فرشتہ جب خط پہنچا
 ہنس دیا خط کو پڑھ کے خدا نے
 لکھی شرح یہ اُس عرضی پر
 دیکھ کے تیری نیت سچی
 ہو منظور یہ تیری عرضی
 یاد تھا دانت بنانا مجھ کو
 وقت ہویاں ہر کام کا ٹھیرا
 وقت سے پہلے ہونہیں سکتا
 درہم برہم ہو ابتر ہو
 دانت کے قابل آنت نہیں ہو
 کیونکر روئی گوشت کھلا دوں
 جاں بچنے کی بچ نہیں سکتی
 سوت سی انٹریوں کو اُلجھن ہو
 پیٹ لگے بن پانوں چلنے
 پیٹ سے معدہ پانوں نکالے
 منہ نظر آیا بھولا بھولا
 ہنستا ہی مونہے پہ مسوڑھا
 بول موتی بھی ہنس نہیں سکتے
 ناخن سے یہ عقدہ کھولو
 شکر کے شربت سے ہی زبان تر
 شربت کی ہر لذت چھتی

عیش بدن میں مچ جاتا ہو
 پینے لگا جب دودھ چھوڑا
 کس خوبی سے چھلک جاتا ہو
 شکر کی سیریں دکھلاتی ہیں
 بھوک گھڑی بھر ٹل جاتی ہو
 نکارے فارغ ہو جاتا ہو
 منہ پہ بستم اک خوبی سے
 نیند یہاں ابیدار ہو بیٹھی
 منہ میں پڑیں مہری کی دلیاں
 نوز ہو پھیلاتن کے محل میں
 ہیں وہ رگیں امرت کی نہریں

جو پیتا ہو بچ جاتا ہو
 منہ سے لگا کوثر کا کٹورا
 پی کر بچہ چمک جاتا ہو
 منہ کر آنکھیں کھل جاتی ہیں
 سیری پنکھا جھل جاتی ہو
 چھاتی سے لگ کر سو جاتا ہو
 آنکھیں بند خوش اسلوبی سے
 غفلت یاں شیار ہو بیٹھی
 بند آنکھیں زکس کی کلیاں
 شمع ہو روشن دل کی لگن میں
 سانسیں آبِ بقا کی لہریں

مولینا شہباز کی کاغذی آمدورفت

دور کی رسم جتنی پہلے یہ نہ تھی آمدورفت
 سال میں پہلے جتنی اکبار ہوئی پھر دوبار
 چار سے چھ ہوئی اور چھ سے ہوئی پھر بارہ
 شام ہو صبح ہو دن رات ہو ہو وہ کوئی وقت
 کھڑکیاں خانہ صحبت میں کھیل الفت کی
 نئے نکلت نظر آنے لگے انداز خیال
 دولہاں دل بستے تھے سینوں میں گلے ملتے ہوئے

رسم کی راہ کھلی پھر یہ کھلی آمدورفت
 دلو سے پھر حال کسی طرح ہوئی آمدورفت
 پھر تو براہ میں سو بار بڑھی آمدورفت
 دل کو لگتی جتنی ہر اک وقت بھی آمدورفت
 جن سے لاتی تھی محبت کی خوشی آمدورفت
 راز بتلانے لگی دل کے سبھی آمدورفت
 آمدورفت سے جب عید ملی آمدورفت

<p> الغرض بام ترقی پر چڑھی آمدورفت بڑھتے بڑھتے جو بڑھی تھی سو گھٹی آمدورفت کچھ جھجکتی ہوئی جیسے کوہی آمدورفت تھی جہاں پہلے وہیں کے اڑی آمدورفت نہ رہی رسم وہ اگلی نہ رہی آمدورفت نہ بڑھاتے نہ گھٹاتے ہیں کبھی آمدورفت </p>	<p> مختصر یہ کہ محبت کے غضب پیگ بڑھے ہر نشہ چڑھکے اُترتا ہی بگڑتا ہی بناؤ نہیں معلوم وہ کیا بات تھی دل جس سے ہٹا آمدورفت سے پھر رسم پہ آٹھیری بات آخرش رسم بھی جاتی رہی اللہ اللہ وہی اچھے ہیں جو جاتے نہ کہیں آتے ہیں </p>
	<p> فلک کے پاؤں سے شہباز ہی آنا جانا مثل خامہ کے ہی کاغذ پوری آمدورفت </p>

مولینا شہباز کے سلیمے ہوئے خیالات

ڈاڑھی

(۱)

<p>نہ لوگ تیز نہ بڑھی کی تھی انی ڈاڑھی چمن تھا حسن کا جب تک نہ تھی بنی ڈاڑھی بھرے تھے دانٹوں کی جامنہ میں گوہر شہوار کہ دوڑی اتنے میں بس کے بچھی اور تلوار کبھی لگے نہ لگے عطر، یہ مہکتی تھی جو انی گانی تھی یہ ناچتی تھرتی تھی</p>	<p>سیاہ ہیرے نہ نیلیم کی تھی کئی ڈاڑھی نگھاس پھپس نہ جنگل نہ تھی بنی ڈاڑھی گلہنی ہیرے کے تھے آئینے وہ گل سے ہزار لگے تھے جو ہر خوبی کے ہر طرف انبار کبھی پڑے نہ پڑے تیل، یہ چمکتی تھی منو کے کولوں پہ شکل مگر لچکتی تھی</p>
--	--

نئی دُھن کی طرح مٹی بنی مٹنی ڈاڑھی

گھوس سے سوزِ محبت سے ٹھک کے ملتی مٹی بتوں سے بڑوں کے کھانکے مکے ملتی مٹی
رُکارُکار ہو کوئی گرتو رُک کے ملتی مٹی کبھی کمان کی صورت سے ٹھک کے ملتی مٹی

کبھی مٹی چلنے کی صورت کھینچی تھی ڈاڑھی

گنگے میں ڈالتی اصلاح کے مٹی جیب باپیں نکالتی مٹی یہ تہذیب کی نئی راہیں
بھی یہ صاف کہ نکلیں لوں سے سوا ہیں کبھی کچھ اتنی کہ لے چاہِ ناز کی تھا ہیں

کسی عزیز کی جس طرح لندن کی ڈاڑھی

نہ بالچھر کی طرح سل پہ یا کھل میں لٹی بہار برہ کے نہ شنبیل کی یہ چمن میں لٹی
دیاسانی کی لوں نہ پھلڑی سی چھٹی مثال بنگ یہ سوئے سے اُترے کے گھٹی

عذارِ صاف کی صافی میں پھر تھی ڈاڑھی

مٹے جو بچ سے پیدا ہوں دو جزیرہ نما مٹے جو دونوں طرف سے ہر پاؤ چھوٹا سا
کبھی ہر ہند کی صورت کبھی ہر افریقہ کبھی لٹکے کے ہر اٹلی کا ہو ہو نقشہ

کبھی ہر پھیل کے اٹلی سے جڑنی ڈاڑھی

چڑھے یہ نہ پھر کبھی چڑھ کے یہ اُترتی ہر کبھی عذار کے دامن میں یہ بکھرتی ہر
کبھی یہ ہونٹوں سے ہٹ کر پڑی پھرتی ہر ہوا کے جھونکوں سے ہر وقت رقص کرتی ہر

جو پوچھو اصل تو ہر پچھ کی جہنی ڈاڑھی

ہر کھتی زیرِ علم اپنے بیکراں لشکر لگاتی کھاتے غنیمتوں پہ ہر سٹ چھپکر
جہانی کالوں کے میدان میں ہر ہڈ کو اڑ ہزاروں حبشیوں کالوں کی پلٹیں لے کر

چڑھانی کرتی ہر کالوں پہ پلٹنی ڈاڑھی

کبھی یہ کرتی ہر دھاوا دھوا دگیسو تک کبھی یہ چھاؤنی چھاتی ہر طاق ابرو تک
کبھی لوہے کے یہ پنچے شکم کے ٹاپو تک کبھی ہر چاہِ ذوق سے پھل کے پڑتاک

و فور کبر سے آلودہ ڈاڑھی

اڑ اے اڑ کے ہیں ڈاڑھی نے کجلی بچ دھوئیں
ہیں پانی بھرتے ہزاروں چہ ذوق میں کوئیں
نفس کی گرمی سے پھیل ہیں چار سمت لوئیں
منے سے پھرتی ہیں غل پتی شیریں کے جوئیں
بنوں میں غل ہے کہ شیروں کی ہی بنی ڈاڑھی

شکار گاہوں میں غامی ہو آڑ ٹٹی کی
ہو کار گاہوں میں یہ راجہ نور بانی کی
شراب خانوں میں ہو اہل ریش قاضی کی
کبھی ہو بیوج زریں پہ جھول باہتی کی
کبھی ہو زین پہ گھوڑے کی گردنی ڈاڑھی

سفر ہو یا کہ حضر ہو یہ شام بے وطنی
سنب فران کی قلت یہیں ہو آ کے چھنی
شب بھال میں اکثر ہو اس سے جاں پہ بنی
کبھی ہو نیش سے مغرب کے صاف سوختنی
کبھی ہو مار کے کچے سے کشتنی ڈاڑھی

کبھی دُکاں پہ یہ گالوں کی کھپ ہو سن کی
کبھی ہو تھان پہ سینے کے دم پہ توسن کی
کبھی ہو باغ میں سُرخ کے بہار سوسن کی
کبھی ہو ریشمی پندمی ذوق کے لسن کی
کبھی پیاز ذوق، پندمی لسنی ڈاڑھی

گدھوں کی آنکھ میں ہیں گزچہ گھاس کے پوٹے
گرہ کی ٹٹھی میں ہیں بند ریشمی جھوٹے
گرہ گرہ ہو کلی ہر کلی سے گل پھوٹے
کوئی تو پینگ بڑھائے کوئی صنم جھوٹے
مُجھلا کے جوڑوں سے سنو اے سائنی ڈاڑھی

ہوئی سفید تھپا ہن سے مثل برف دھلی
ہوئی جوند تو کانٹوں میں مثل زر کے تلی
طبیعت اس میں بڑھاپے کی اک حسین ڈھلی
خضاب کا تھامے مگر جو قلعی کھلی
ہوئی سیاہی میں اودی سے بیگنی ڈاڑھی

سپیدی، زردی، سیاہی، میں آڑی اک جنگ
دکھا ہمندی کی لالچے کشت و خوں کا دھنگ
جھپٹ کے ڈاڑھی نے چاروں کو کر دیا چورنگ
یہ دھنگ دیکھ کے مریخ کا ہوا فن رنگ

کہا دھنکائے ہر تلوار کی دھنی ڈاڑھی

حجاب میں کبھی اطلس حجاب سے ہو کبھی یہ جلوہ نما ریشمی نقاب سے ہو
خیالِ غفل و کُنجِ خواب رنگِ خواب سے ہو خدا کی شان کہ بگڑے ہوئے خضاب سے ہو

ہر ایک رنگ کے کپڑوں کی الگنی ڈاڑھی

بنائیں جہاں سے عرش و کرسی رحمت رکھیں فلک سے سر پہ سمجھ کے کاکشاں
لگے آنکھ سے دیکھے سے ہاں رضواں ادب سے چھوٹے ہی چوہیں عورا و رعلماں

نعیمِ خلد کی نہنڈی ہو درخشنی ڈاڑھی

ہر ایک بال میں ہو موٹا گنبدوں کا اثر جنوشیوں میں ضاحت کے ہیں بھرے دفتر
سیاہیوں سے یہ ہو مردمی کا نورِ بصر کبھی میں اس کی سراسر ہو راستی مضمر

عز و میں ہو طلسمِ فروتنی ڈاڑھی

کبھی ہو علمِ بیاں میں یہ مختصرِ پُرخش کبھی ہو شرجِ معانی میں یہ مَطْل و شس
کبھی یہ جوڑتی ہو بخویں کی ریش سے نش کبھی ہو عالمِ تقریریں بڑا خفش
کبھی ہو ہونہرِ خفش کی حمد دنی ڈاڑھی

مولانا شہباز کے لُجھے ہوئے خیالات

مونچھیں

(ان مونچھوں کو زیادہ تر باقی پور پٹنہ سے تعلق ہو)

پڑھیں اس طرح جب چھندر کی مونچھیں منڈیں کس لیے پھر قلندر کی مونچھیں

پڑی تاؤ کھاتی ہیں ہر خیز کی مونچھیں عجب کیا اگر ریچھ بندر کی مونچھیں

بنیں بڑھتے بڑھتے سکندر کی مونچھیں

کسی روم میں ایک ریکارڈ کیپر ہر بیٹھا ہوا اپنی کرسی کے اوپر
نہیں ڈرسے رکھتا چرٹ منہ کے اندر کہ پھیلا ہر کرسی پہ مونچھوں کا دھڑ

محافظ ہیں خود اپنے دفتر کی مونچھیں

نیللی کھنچی ناک کے زیر سایہ بڑھاتی ہوئی رعب و سطوت کا پایہ
سُناتی ہوئی خوف و خشیت کا آیہ کبھی بالصراحہ کبھی بالکنا یہ

ڈراتی ہیں ڈپٹی کلکٹر کی مونچھیں

کمر میں نہیں گرچہ تلوار رکھتیں مگر پھر بھی اعدا کو ہیں مار رکھتیں
ہیں احباب کو عاشق زار رکھتیں لیوں پر بھی اک زعفران زار رکھتیں

خوش اخلاقیوں سے کلکٹر کی مونچھیں

سرشام کوٹھی سے اپنی بکھل کر اٹھاتی ہوئی دم بدم لطف منظر
لگاتی ہوئی لان کے گر چسکر بڑھات کے ساتھ سسیدہ فٹن پر

ہوا کھا رہی ہیں کشنر کی مونچھیں

جواہر کی لڑیاں کہیں جھڑ رہی ہیں خریفوں پہ چھڑیاں کہیں پڑ رہی ہیں
نظیروں پہ آنکھیں کہیں گڑ رہی ہیں کتابیں پٹاک کہیں پڑ رہی ہیں

کھڑی کونسل سے پلڈر کی مونچھیں

کہیں چھانتی ہیں سئے پڑتگالی پروتی کہیں پزل کے ہیں لالی
بنی ہیں کہیں حسن کے منہ پہ جالی سیاہی میں ہیں لب پہ ہاتھوں کی لالی

سیٹیشن پہ ایجنٹ کلنر کی موچھیں

کہیں ذکر ہو گزباں دانیوں کا کہیں وقت ہو گزنا خانیوں کا
غرض سحر کہ گری لسانیوں کا پہنچکر وہیں جلد ایرانیوں کا

پھر برا اڑاتی ہیں سحر کی موچھیں
ہوا قلب پر خوف عقبی جو غالب چلا گھر سے عینو کی مسجد کی جانب
تھے عینو وہاں درزی شاہ بتر بڑھے لے کے متقاضی قصو الشوارب

جو دیکھیں مے منہ پہ کافر کی موچھیں

وہ موچھوں پہ لپکے میں ڈاڑھی سے لٹکا کترے لگے وہ، دیا میں نے جھٹکا
کلا منہ پہ کرنے لگی کامنٹ کا اٹھا پھر تو موچھوں نے ڈاڑھی کو پٹکا

چھوٹے لگیں نوک سحر کی موچھیں

کل آئے لڑ بھڑکے ہم ٹھنڈے ٹھنڈے اڑاتے ہوئے فتح و نصرت کے جھنڈے
بندھے گو نہ موچھوں میں عینو کے ڈنڈے وضو ہو گئے لیک تقویٰ کے ٹھنڈے

نہ جائیں جو مسجد ہو عینر کی موچھیں

ہو جلسہ وہ پٹنے میں یا لکھنؤ میں وہ ہو شوق زردار یا عشق ٹیس ٹیس
کہیں ہاتھ ناچیں کہیں پاؤں تھرکیں لب لعل سے ہونٹ طوطی کے دل دیں

الاپیں جو شہباز چیدر کی موچھیں

پروفیسر شہباز کے رنگیں خیالات

پان

یواقیت میں لعل کی شان ہوں میں
 بھرے لعل و یاقوت ہیں سے واں تک
 مری تہ سے نکلیں گے خوش رنگ موتی
 مری شکل ملتی ہے ہندوستان سے
 جانا ہوں میں رنگ سوسن پر اپنا
 ہوں مرجان کو میں زمرہ کی مسجد
 کہیں سرخ پوشتوں کا ہوں میں گریباں
 دکھاتا ہوں لذت کو خوش رنگ دانے
 مرے آسمان پر میں قوس قزح دو
 سپیدی سے لے کر سیاہی کی حد تک
 کہیں رنگ سے چلے کی ہوں پیالی
 کہیں مہاں کی ہوں خاطر تواضع
 کہیں میں ہوں سیری کو چوہن کی پڑیا
 کبھی ہوں خوشی جو نہ پھولے سماے
 عدو کا ہی کیا منہ کہ سنہ پاس لائے
 بدلتا ہوں عشرت کی شاخوں پہ دانہ
 کر دل حج تولول لعل احمر کا بوسہ

یمن میں لبوں کے بدخشاں ہوں میں
 بظاہر زمرہ کی گوکان ہوں میں
 سمندر میں زمینت کی سیلان ہوں میں
 محب الوطن جزو ایمان ہوں میں
 ادھر دیکھ کر گس زباں دان ہوں میں
 زمرہ کو تسبیح مرجان ہوں میں
 کہیں ہنر پوشتوں کا دامان ہوں میں
 بستم کے شق سے - وہ زمان ہوں میں
 دکھاتا جہمی سارے الوان ہوں میں
 ہراک رنگ قدرت کا سامان ہوں میں
 کہیں بوسے قہوے کا فجان ہوں میں
 کسی جامہ اداوت مہمان ہوں میں
 کہیں بھوک کو خوان الوان ہوں میں
 کبھی فکر سرد گر بیان ہوں میں
 محبت کی ڈیوڑھی کا دربان ہوں میں
 عشق کی چھتری کا گردان ہوں میں
 کہ پڑھتا حسینوں کا قرآن ہوں میں

مناسب ہی ہوتی کو اب چوں نہ کرنا
 زمیں کو مرے رنگ نے چھا لیا ہی
 نہ تھا میں تو یہ رنگ زمین کا کد تھا
 میں ہوں ناک۔ ہیناک کی کیل کو نگیں
 الاچی جو بنتی ہی پردے کی بو بو
 گہری ہو گئی قوم۔ مصلح کی صورت
 مشیروں کو دیتا ہوں اپنے وزارت
 دوپٹی ہے جب سر پہ شاہِ اودھ ہوں
 کبھی شور سے ہیں۔ کبھی محرکے میں
 عیاں سترِ مسطرت آیت کی سُرخی
 مری یاد ہی یاد گھر کی بھلائی
 کھڑے کان ہوتے ہیں گھوڑوں کے مجھ سے
 جو ہی جانتاں روگ۔ ہوں نوش دارو
 مجھے دیکھ کر برص کا رنگ فق ہو
 برس کیا منٹ دو منٹ بھی نہ ٹھہرے
 جذام ایسا گھبرائے۔ سرپائو بھولے
 جو دیکھے کہ ساماں بُرے ہیں تو بولے
 بناے ہیں سب حاذق الملک میرے
 یہ لکھا ہوا ہی مرے ہر ورق پر
 نہیں مجھ سے بہتر کوئی شرحِ قانون
 رہی ہی مری ناز نینوں سے صحبت

لبِ لعل پر نوک پریکاں ہوں میں
 جہانگیر شہرت کا طوفان ہوں میں
 بہ رنگِ زمینت کا سامان ہوں میں
 قرقل کرن پھول ہیں۔ کان ہوں میں
 الاچی کا درپردہ اک تھان ہوں میں
 اٹھانا پکڑ کر گریبان ہوں میں
 جہاں میں اگر دل پہ سلطان ہوں میں
 گلہ کج ہی جب شاہِ ایران ہوں میں
 ترقیِ تمدن کے ارکان ہوں میں
 خانی چھپائی کا قرآن ہوں میں
 عرب کے لیے طاقِ نسیان ہوں میں
 کہ دہ سننے ہیں گھوڑوں کے کان ہوں میں
 جو ہی لادو اور دو۔ درمان ہوں میں
 کچھ ایسا کہ خود جس سے حیران ہوں میں
 کسے ڈر کے خضت اسی آن ہوں میں
 کسے اب کوئی دم کا سمان ہوں میں
 اٹھاتا ابھی اپنا سامان ہوں میں
 شریف اور محمود دوران ہوں میں
 پڑھو مہوجز علم ابدان ہوں میں
 افاضاتِ دانائے گیلان ہوں میں
 جمعی نازنین دھان اور پان ہوں میں

بگڑ کر خدا را نیوں مَنہ پھلاؤ
 ہوتا سرخ روئی جوانوں کو اپنے
 عدو میری چوٹوں سے خون تھکتے ہیں
 اٹھاؤ نہ تم قتل کا میرے بیڑا
 نہ چلی کی صورت بتو دانت پیسو
 نہ مانو تو خود مَنہ تھا را دُکھے گا
 ہیں باتیں مری لعل سے بیش قیمت
 فحش اخلاقیوں سے ہنسو مسکراؤ
 ہنسی سے بنوں مَنہ پہ پھولوں کی ٹہنی
 بلا سے ہسی کی اندھیری ہر چھائی
 بین ہوں اگر زینت لعل لب ہوں
 نکلتا ہر مَنہ سے مرے اللہ اللہ
 ہر تحریر اللہ رنگ اپنا سجاں
 ہوں سادہ ورق سادہ لوح کے آگے
 نکلم کہ ہونٹوں کا لوں مڑ کے بوسہ
 مری بیل ہر وہ منڈھے چڑھنے والی
 ہیں ظلمات زائلیاں خضر صورت
 وہ ہر سن سبز اہ خط سبز میرا
 سمجھتے ہیں کچھ لوگ صاحب کا بنگلہ
 بتاتے ہیں کچھ لوگ بنگالی مجھ کو
 نہ بنگلہ کہ ہر کل زبانوں پہ قدرت

ادھر مَنہ کہ وجان جاں پاں ہوں میں
 لڑاتا کبھی بن کے کپتان ہوں میں
 نہیں نرم - گم نہ زریماں ہوں میں
 کہ ناز بنی نوز انسان ہوں میں
 کہ دانے کی صورت پریشان ہوں میں
 جو مانو تو مر ہوں احسان ہوں میں
 سفود و راندیش ان ہوں میں
 کہ خوش خوش اداؤں پہ قربان ہوں میں
 بتسم سے گلچیں کا دامن ہوں میں
 تجلی سے روشن شبستان ہوں میں
 عدن ہوں اگر زیب دندان ہوں میں
 پھرتا جو تیج مرجان ہوں میں
 لیے سمجھ جوں نون سجاں ہوں میں
 مگر دفتر اہل عسافان ہوں میں
 بتسم کہ دانتوں پہ قربان ہوں میں
 وہ لوگ جو چڑھتا ہر ہواں ہوں میں
 لیے جام میں آب حیوان ہوں میں
 کہ ہو راسے صائب نو دیوان ہوں میں
 اگرچہ نہ کمرہ نہ دالان ہوں میں
 کہ بنگلہ کا پورا زباں دان ہوں میں
 عجب بلگرامی زباں دان ہوں میں

<p>جھمی سینے سینے کا ارمان ہوں میں کہ جس میں پڑا نورِ ایمان ہوں میں سکھاتا سچائی کی پہچان ہوں میں عقیقوں کی عفت کا دامن ہوں میں ترقی کے - سبزی سے سامان ہوں میں کبھی مثلِ سنبل پریشان ہوں میں بندھاتا کہیں عہد و پیمان ہوں میں پری ہوں حن ہوں نہ شیطان ہوں میں سمجھنا نہ ایسا کہ بے جان ہوں میں ہی انسانیت مجھ میں - انسان ہوں میں تواضع - سخا - جود - احسان ہوں میں</p>	<p>بنائی خدا نے مری دل کی صورت نہیں خالصداں ہی یہ وہ قلبِ مومن نہیں سانچ کو آئینہ سانچ کے منہ سے جیا جھکو کیا کیسا سمیٹے ہوئے ہی سیدمی سے اقبال کی ہوں نشانی کبھی ہر مری غنچہ ساں جمع خاطر گھلاتا کہیں ہوں کمر و دوستی کی نہیں آدمی پھر بھی ہو آدمیت مجھے بھی خدا نے مری جان دی ہی جو انسان ہو مجھ کو جیواں نہ سمجھو زمانے کے اخلاق ہیں بند مجھ میں</p>
<p>خیالات شہباز ہیں - اور میں شہپر سرِ عرش تک وقفِ طیران ہوں میں</p>	
<p>پروفیسر شہباز کے پیارے خیالات</p> <p>(بوسہ)</p> <p>(۱) تمہید - سماں</p>	
<p>جہاں تھا گمراہ سہانا سماں تھا سہانی سی رات چھائی ہوئی تھی</p>	<p>بتاؤں یہ کیوں میں - کدھر تھا - کہاں تھا لگن سبھ گھڑی لے کے آئی ہوئی تھی</p>

طرب کی ہر اک فرع کی اصل ہمتی وہ
 کہاں چاندنی پر بھی چاندنی ہمتی
 ستارے بھی تھے ٹٹماتے ہوئے سے
 کیے تھا عجب شان سے بالکنایہ
 گھلیں تھیں تماشے کو زنگس کی آنکھیں
 کھلے پاس زنبق کے دو سرخ گل تھے
 نہ زنبق نہ گل زینت گلستاں تھے
 لپٹ ہمتی ادھر مشک و عنبر کی آتی
 نکالے ہوئے سبب تھا اپنی ٹھوڑی
 غضب دل میں اپاں سمائے ہوئے تھے
 لگائے ہوئے کان تھے پھول دونوں
 سماں یہ تھا اور سورہی ہمتی خدا بی

کہا کمکشاں نے شب وصل ہمتی وہ
 کھلی چودھویں رات کی چاندنی ہمتی
 نظر آتے آتے نہ آتے ہوئے سے
 مہ چارہ سرو کے سر پر سایہ
 تماشے سے روشن تھیں ہر جس کی آنکھیں
 بھرے جس میں خوشبو کے سماں گل تھے
 دھرے پاس بینی کے دو عطر داں تھے
 ادھر ہمتی جو خوشبو گل تر کی آتی
 کرے جھک کے تاباغ کی سیر تھوڑی
 انارین بھی سر اٹھائے ہوئے تھے
 کہ تھے راگ میں لعل مشغول دونوں
 خموشی نے تقریر شیریں سنائی

(۲) میرے وجود کی نسبت حکما میں اختلاف

کھلے جس جگہ عقل و حکمت کے لب ہیں
 لبوں پر حکم کے کیا کیا سخن ہیں
 ہر کتنا کوئی میں نہیں ہوں نہیں ہوں
 وجود و عدم کے ہیں جھگڑے یہاں بھی
 خدا بن کے جن میں سسایا عدم ہو
 جو طوفانِ حجت میں ہیں یاں وجودی
 سمجھتے ہیں مجھ کو وجودِ خیالی

پڑے اختلافات باہم غضب ہیں
 ہیں اتنی ہی باتیں کہ جتنے دہن ہیں
 ہر کتنا کوئی ہر جگہ ہر کہیں ہوں
 مسائل گئے خوب درگڑے یہاں بھی
 وجود اُن کا زیرِ سماں کا عدم ہو
 ہر ممکن ملے اُن کی کشتی کو چوڑی
 نہیں پھر بھی کوئی مکاں مجھ سے خالی

ہی بحر خیال اُن کا طغیانوں پر
 عناصر میں اشبہ بہت ہوں ہوا سے
 یہ سنکر بڑھے تاکہ ہوں مجھ پہ حاوی
 جنہیں کیمیا کا تصور نہیں ہی
 اُڑے نطن سے جلیوں کے شرارے
 نظر پھر تو آنے لگے سب کو دُوجن
 بتایا پھر اُس عالم کیمیا نے
 پڑے نہ زہامت ہیں مٹی میں ان کی
 جو بڑھ کاے ایک آتش زندگی
 کرے ایک روشن اگر شمع گل ہو
 اگر اس کو لپکا ہے آتش زنی کا
 نیتاں میں گر آگ ہو اک لگاتا
 شر میں انہیں کے ہیں جلوے بقا کے
 یہ دنیا ہو سنبھلی انہیں دلو کے دم سے
 نہیں راہ پر جو کہ گرہ ہی ان سے
 اگر چہ لفظا ہر وہ مرنی نہو گا
 ہی گزنا ستر و جن کی شرکت زیادہ
 اگر آسِ جن کی ہی اُس میں شدت
 غرض جو ہو وہ شہر کبھی شورہ زنا ہی

لبوں پر ہوں۔ ہاتھوں پہ پہنٹائیوں پر
 پہ دبتا نہیں آتش شعلہ زائے
 جو کرتے ہیں تحلیل یاں کیمیاوی
 ہوا جن کی آنکھوں میں عنصر نہیں ہی
 الگ ہو گئے میرے اجزاء وہ سارے
 آوہر آکشی جن آوہر نائٹروجن
 کہ بجٹی ہی قدرت سب ان کو خدائے
 فنا و بقا دونوں مٹھی میں ان کی
 تو وہ دوسرا پھر دے اُس پہ پانی
 جہاں دوسرا آئے ہر شمع گل ہو
 وہ ہونے نہ دے بال اک حس کا بیگا
 تو وہ دوسرا ان گر ہی بچھاتا
 ہوا میں انہیں کے ہیں جھونکے فنا کے
 برابر ہیں پلے وجود و عدم کے
 ہوا ہی جو کبھی اشبہ ہی ان سے
 مزلوں سے دیکھن وہ خالی نہ ہو گا
 تو شورے کی سی ہوگی لذت زیادہ
 مزہ دے رہی ہوگی اُس میں حموضت
 کبھی شورہ زنا وہ حموضت فزا ہی

<p>ہر تفتیق سے دور اُلو کا پٹھا مروں کا ضرور اُس میں ہو گا چٹا خا</p>	<p>غلط ہے جو کہتا ہے میٹھا نہ کھٹا ہو اُس میں گر چھوڑتی ہے پٹا خا</p>
<p>(۳) میری لذت</p> <p>کہ کھٹا نہ میٹھا مگر ہوں مرے کا سب سمجھتے ہیں فرہاد و شمس مجھ کو شیریں مرا خوان خوبی پہ لازم ہے ہونا ہے میرے ہی سرفرخ مندی کا ٹیکا ہو بگڑا اگر منہ تو کھٹا بھی ہوں میں حلاوت میں ہوں انگلیں سے زیادہ ادا مجھ کو تنہا مگر رہی کرتی غرض مجھ میں ہر ایک شے کا مزہ ہے</p>	<p>سنو یار! نکتہ یہ منہ چومنے کا لبوں کی طرح ہے یہ مضمون رنگیں نہ ہوں گرچہ میٹھا نہ ہوں گو سلو نا سمجھتے ہیں نامرد گو مجھ کو پھیکا ہو میٹھا اگر منہ تو میٹھا بھی ہوں میں ترش میں ہوں مہین جبیں سے زیادہ ملاحظت ہے مجھ میں نکم آکے بھرتی اگر لب ہوں تو گول تو میری کا مزہ ہے</p>
<p>(۴) میرا وطن</p> <p>مراد دل بدخشاں - یمن کو ہے کھنچتا دکھا دے بدخشاں - یمن پھر الہی وطن دو تو ہوتے نہیں آدمی کے سمجھ میں ہے پر ایک تاویل آتی بدخشاں میں ممکن ہے نضیال ہوگی عجم میں بدخشاں کا عالی نسب ہوں ہے خور شید نانا - شجاع اُس کی نانی بدخشاں میں یا قوت ہے غالب میرا</p>	<p>سنا ہے کہ ہر دل وطن کو ہے کھنچتا لگو ٹھیک ہے جذبِ دل کی گواہی مگر اس پہ خدشے ہیں اک فلسفی کے یہاں جذب کی کچھ نہیں پیش جاتی یمن میں اگر میری دوھیال ہوگی غرض میں عرب میں یمن کا عرب ہوں جو دادا ہے میرا سہیل یا نی چچا ہے یمن میں اگر لال میرا</p>

<p>مرے سکے رائج یہاں ہر کہیں ہیں</p>	<p>عرب اور عجم دونوں زیر انگلیں ہیں</p>
	<p>نئی تحقیق</p>
<p>نیا دور ہی یہ - نیا ہی زمانہ تو تحقیق تازہ بھی اب مجھ سے سن لو بھرا ذکر سے ہر مرے ٹما ٹمزل کا بڑے زور سے وہ دکھاتے ہیں سب کو عجم میں بھی اُن کو سرا سر سخن ہو برہمن نہ پتہ نہ رچوت کا ہوں</p>	<p>ہنیں کوئی سُننا پُرانا فسانہ یہ دانے ہیں یا قوت کے ان کو چُن لو چھپا جس میں مضمون ہے سر لیل کا ہنیں کوئی مجھ سے تعلق عرب کو حقیقت جو پوچھو تو برہما وطن ہے جگر لعل کا - لال یا قوت کا ہوں</p>
	<p>(۵) میری جہانگیری</p>
<p>مگر ایک شہد اچھٹا سبہر کا ہوں چمکتا ہوں تہذیب کی بجلیوں میں کبھی ہوں لبوں پر کبھی غنچوں پر فلک پر کبھی ہوں کبھی ہوں زمیں پر کبھی ہوں لبوں سے میں لب بن کے ملتا کبھی شوق میں شکل سیما ہوں میں چمک میری بلبل کوہِ مات کرتی کبابوں میں لذت سے میری مزا ہے جدھر دیکھو - ہیں سب خمیدہ ابر سے مری غنچس ہے شوق کے مارکٹ میں</p>	<p>پہاڑوں کے دامن میں گویں پلا ہوں ہوئی تربیت گومری جنگلیوں میں برعادت ہوں میں ہاتھ شیریں لبوں پر قدم پر کبھی ہوں کبھی ہوں جبیں پر کبھی میں ہوں گا لوں پہ گل ہو کے چلتا کبھی کام میں رشاکِ غناب ہوں میں چٹک میری غنچوں سے ہے بات کرتی شرابوں میں مدت سے میری نشہ ہے کیے گرم ہیں سارے بازار میرے مری بیل ہے بزم کے کارپٹ میں</p>

سر آکھوں پہ شہری ہیں مجھ کو بھٹاتے
 جہاں بنم رنگیں ہی۔ رنگیں ہی مجھ سے
 غمزہ ہی ہر اک دل کو میری لگن میں
 اگر چہ مری اصل ہی ایشیا کی
 رسائی نہیں بادشاہی ہی میری
 اگر جانیئے خانگی سر کھوں میں
 مرا شوق ہی دل میں آیا کے آیا
 وہ صاحب جو موچھوں کو سلجھا رہا ہے
 بے تشبیہ موچھوں کو دوشپروں سے
 نہیں روز کی مس کے گالوں پہ لالی
 پڑیگا ہمیں آکے رن کورٹ شپ کا
 ادھر چند صاحب کے بابا کھڑے ہیں
 کھڑے بھی کھڑے ہیں مری را دستکتے
 کسی کے لیے دودھ کا گھونٹ ہوں میں
 کسی لونڈے کے گال پہ ہوں لونڈر
 اگر چھوڑ کر گھر کو پہلک میں آؤ
 بچائے ہزاروں کے ہیں نوٹ ہیں
 ہی رکھا کرو ہوں کچھ ہاتھل میں نے
 وزارت پکیریں ہی تھیں اتنی حیرت
 ہنسوں جس جگہ ہاتھ کندھوں پر رکھ کر
 سفیروں کے میں ہوش کھوتا رہا ہوں

ہیں تہذیب کی مجھ سے تعلیم پاتے
 جہاں لعل شیریں ہی۔ شیریں ہی مجھ سے
 مری شمع روشن ہی ہر ارجن میں
 مری لیک یورپ میں بھی ہی رسائی
 پھری یاں سے وال ٹمک دہائی ہی میری
 تو واں بھی مری جاؤ ہی سب دلوں میں
 مرا ایم صاحب کے سر پر ہی سایا
 وہ موچھیں نہیں ہیں۔ مرا گھونٹا ہے
 مڑوں سے کہوں لو آؤ شہروں سے
 بنا کشت و خوں کی ہی واں میں نے ڈالی
 ڈیسا نڈ آکے ہوگا یہیں فیٹ لپ کا
 ادھر زمری میں بھی بعضے پڑے ہیں
 پڑے بھی مری یاد میں ہیں بلکتے
 کسی کے لیے ٹھیل کا اونٹ ہوں میں
 کہیں بالے ہونٹوں پہ ہوں بالی شوگر
 عمل میرا چلتا ہوا واں بھی پاؤ
 ہزاروں کو دلوں میں ہیں ووٹ میں نے
 وزارت بدل دی ہو باتوں میں میں نے
 وزارت بدل دی ہو یورپ کی قسمت
 تو واں عقل بسمارک کو آئے چکر
 سفارت کے موتی پروتا رہا ہوں

<p>نہیں راز مخفی وہاں۔ میں جہاں ہوں دوکان جس جگہ بیٹھ کر کھول دوں میں مُبَرّر۔ مقرر۔ بہادر۔ جبری ہوں بڑھی سب سے ہی بلکہ تدبیر میری ہی صدقہ مرا اہل یورپ کی صولت جڑے قفل قلموں کے کھلتے رہے ہیں لبوں سے شجاعت کی کاٹوں زرہ میں</p>	<p>فشتوں کے میں راز کا راز داں ہوں ٹکے سیر ہر راز داں تول دوں میں پلوڈن۔ گرلین۔ کرومر۔ کری ہوں یہاں نکات کہ قائل ہی تقدیر میری یہ دولت ہی دنیا کی میری بدولت لبوں سے بتاسوں کے گھٹکتے رہے ہیں لبوں سے سفارت کی کھولوں گرہ میں</p>
---	---

(۶) میری خوش عقیدگی

<p>مذاہب کے آگے بھی ہی قدر و قیمت لگارات دن ارض کی سیر میں ہوں نہیں منحصر دہلی و مولتاں پر مجھے کچھ ہی تم قبیلہ و کعبہ سمجھو دلوں کے حرم ہیں جہاں محترم ہوں سفیدی مری سنگ اسود کے منہ پر عقیدت کے زیور میں گھڑتا ہوں اُس وہ لب جن پہ یا قوت کی رال لپکے وہ لب گھونٹ ہیں جوئے وانگلیں گے</p>	<p>عجب ذات والا ہی میری غنیمت حرم میں کبھی ہوں کبھی دیر میں ہوں جھکی ہی جہیں میری ہر آستاناں پر لبوں کا مگر کعبہ و قبیلہ سمجھو لگن ہیں لبوں کے میں شمع حرم ہوں اڑائے ہوئی زبرد کے منہ پر لبوں کے میں یا قوت جڑتا ہوں اُس پر وہ لب جن پہ سوجان سے لال لپکے وہ لب جو جھروکے ہیں غلہ بریں کے</p>
---	---

(۷) میری القاب

<p>اگرچہ سخنور کی نازک خیالی</p>	<p>نہیں پاتی ناموں میں مضمون عالی</p>
----------------------------------	---------------------------------------

عجب فلسفہ بند ناموں میں بھی ہے
 سنا ہے یہ میں نے کسی فلسفی سے
 مسیٰ وہ جس کے ہیں اسماء زیادہ
 یہ جس کیلئے کی ہے تھیں کرد کرتا
 زباں ایک ہے نوبہ نونفرے ہیں
 خدا سے ملاؤں یہ کیا اپنا منہ ہے
 مگر پھر بھی یوں تک چڑھا اور بڑھا ہوا
 لبوں سے لگے نیش کے جام بھی ہیں
 جہاں باتیں وصل اچھی اچھی ہو کتا
 نہ آپ صفا ہے۔ نہ چاہ ذوق ہے
 خدا جانے کیا ہے لب یا رکنتا
 کہیں گال پر پھیر کر ہاتھ شوجی
 کہیں چوم کر چاؤ سے گال مس کا
 کبھی میں ہوں مٹا کبھی میں ہوں دُبا
 کہیں جبکہ بلبل کا منہ گل نے چوما
 کہاں تک مشیخت کہاں تک تعلیٰ
 کنایوں کو کر جلد رخصت صراحت
 ہوں بیس کا مطیع میں لو کہ سنو سہ

جو ناموں کو سمجھے بڑا فلسفی ہے
 نہیں دور شاید بہت رستی سے
 جہاں میں اسی کا ہے رتبار زیادہ
 ہے مذہب بھی کچھ اُس کی تائید کرنا
 خدا ایک ہے۔ نام سناؤں سے ہیں
 بڑی بات ہے اور چھوٹا سا منہ ہے
 خدا کے خلیفہ کا میں منہ چڑھا ہوں
 اسی سے زیادہ مرے نام بھی ہیں
 مجھے ٹٹے منہ سے وہ چمچی ہے کتا
 چھلکتا ہوا مجھ سے چمچی بھون ہے
 مگر دل تو ہے پیار سے پیار کتا
 شرارت سے مجھ کو بتاتی ہے بٹی
 ہے دیتا لقب تھینک یو مجھ کو کس کا
 کہیں میں ہوں کس او کہیں میں ہوں قلیا
 چمک کر کہا لب کی بلبل نے چوما
 نہ لے لن ترانی کی دکھلا تجلی
 صراحت کا منہ چوم لے اب فصاحت
 میں بوسہ ہوں بوسہ ہوں بوسہ ہوں بوسہ

پروفیسر شہباز کے رنگین خیالات بہار کی آمد (۱) لیل و نہار کی آمد

بہشت آچکا ہے بہار آ رہی ہے
 دوسری لیل و نہار آ رہی ہے
 ستاروں سے شب رنگار آ رہی ہے
 لیے تازہ گلزار آ رہی ہے
 سوے بندہ شرمسار آ رہی ہے
 اُدھر کا کل تاب دار آ رہی ہے
 رخ افروزی گلزار آ رہی ہے
 بھرتی ہوئی زلف یار آ رہی ہے
 نکھرتی سوئے گل عذار آ رہی ہے
 یہ خود قدرت کردگار آ رہی ہے
 خزاں جا رہی ہے بہار آ رہی ہے
 جھکی گردن روزگار آ رہی ہے

عجب فصل یہ خوش گوار آ رہی ہے
 جلو میں لیے فوج رومی و زنگی
 شعاعوں سے دن زرقاں بن رہا ہے
 نہیں دھوپ سوے خلیل زمانہ
 کہاں چاندنی روح افروز رحمت
 جو اوڑھے ہوئے چاندنی کا دوپٹا
 اُدھر دھوپ کا بریں جمکاے سایہ
 نہیں شام شانوں سے لے کچھ تک
 نہیں صبح حسن تبسم کی سرخی
 بدلتی ہوئی بھیس شام و سحر کا
 شباب آ رہا ہے وہ پیر فلک کا
 وہ روئے زمیں ہے کہ با این تفاوت

(۲) باغ کی بہار

کئی بھول سی گلزار آ رہی ہے
 چکلتی وہ شاخ چنار آ رہی ہے

سنائی ہے بلبل ہمیں یہ چمک کر
 دکھانے کو یاروں کو صفحہ خانی

<p>جوانی پر سشارِ انار آ رہی ہو نسیم و صبا پر سوار آ رہی ہو خطا کی طرح مشک بار آ رہی ہو خشن وارِ عنبر نثار آ رہی ہو بہت لذتِ انتظار آ رہی ہو بغل میں دباے ستار آ رہی ہو چڑھانے کو سونے کے تار آ رہی ہو جنوں باغ میں لوگ خار آ رہی ہو</p>	<p>اُبھرنے کو ہی جلد اناروں کا جو بن عجب لطف سے باغ میں نگہبست گل ہوا سے کہیں زلفِ سنبل بکھر کر کہیں آبِ شبنم سے سوسن بکھر کر بھجائی ہیں رنگس نے آنکھیں کہ اُس کو نہیں ہو یہ سوچ کئی - کوئی شاہد کرن پیچھے پیچھے وہ سوچ کی اُس پر رہے گی بہت لوگ جھوک آبلوں سے</p>
---	---

(۳) چڑیوں کی ہمار

<p>جیسے لڑکوں کو صوبت ہزار آ رہی ہو حدِ آرائیِ تاج دار آ رہی ہو چلی قمریوں کی قطار آ رہی ہو پیالے وہ پی کی پکار آ رہی ہو اُدھر کو کھانے قرار آ رہی ہو اُدھر کوک دابے ستار آ رہی ہو</p>	<p>عجب ٹھاٹھ سے وہ گلے کو لگائے اکڑتی ہوئی بہرِ طاووس و ہڈ ہڈ چمن گونج اٹھے گاتِ سرف سے نہیں دور وہ دن کہ کانوں میں گل کے اُدھر جا رہا ہو پیہا جو مضطر اُدھر ٹیر رہی بانسلی سے سنائی</p>
---	---

(۴) خواہشوں کی ہمار

<p>نئی زندگی - جسمِ زار آ رہی ہو بہت آ رہی - پیشمار آ رہی ہو ہنسی گل کو بے اختیار آ رہی ہو</p>	<p>نئی روح بچکنے کو ہی جان - تن میں اُنگوں کے قالب میں دل میں تمنا ٹپکنے کو ہی رالِ شبنم کی گل پر</p>
--	---

	(۵) مژنوشیوں کی بہار	
<p>وہ شبنم کی مژنے خارا رہی ہو ہوا پر گھٹا برق وار آ رہی ہو گرد ہونے کو اک انار آ رہی ہو ارادت اگر بادہ خوار آ رہی ہو</p>		<p>چمکنے کو ہر صبح گل کی گلابی گرائے کو خرمین پہ تقوے کے بجلی سوئے مکدہ سر سے پگڑی کے لپٹی مشخت پہ چمکنے کو ہر مژنوشی</p>
	(۶) سواری کی بہار	
<p>یہ بیگم کوئی تاج دار آ رہی ہو وہ ہونے کو گل پر نثار آ رہی ہو</p>		<p>لپکتی نہیں باغ میں شاخ گل کی نہیں اشرفی بے سبب پھول بنتی</p>
	(۷) سپہ گری کی بہار	
<p>طراوت لب جو ببار آ رہی ہو وہ موسیقی آ بشار آ رہی ہو بڑھی جانب زنگبار آ رہی ہو</p>		<p>دور وہ کھڑے سرو کے ہوں سپاہی چٹانوں کے اوپر سے چڑھتی اترتی بجاتی ہوئی بیڈہ گوروں کی پلٹن</p>
	(۸) شاعری کی بہار	
<p>لیے گو ہر آب دار آ رہی ہو لیے چوہنج میں گل کے ہار آ رہی ہو چمکتی ہوئی خود بہار آ رہی ہو</p>		<p>نہیں ہو یہ کاغذ سمندر سے سپی نہیں ہو یہ خامہ گلستاں سے بلبل چمکتا نہیں ہو یہ شہساز بلبل</p>

پروفیسر شہباز کے تہنیت آمیز خیالات (عید)

عید ملنے کو ہم سے عید آئی
دیکھا اب روئے گلزار اس کا
وقت عشوہ یہی ہی حور جمال
زلف اسی ماہ نے بکھیری ہی
چھٹکے افشاں کے یہ ستارے ہیں
بات سیدی ہی ناگ سیدی ہی
آہر گوہر ہی نور انجم کا
کب شفق ہی بھلا یہ بھولی ہوئی
رنگ ہیں یہ کفِ خانی کے

رمضان! ساعتِ سید آئی!
دن دن تک تھا انتظار اس کا
یہ فلک پر نہیں ہی نور ہلال
پھانی کب شام کی اندھیری ہی
گلے کب چرخ پر یہ تارے ہیں
روشنی کب یہ نکشاں کی ہی
صاف پرویں ہی کان کا جھمکا
عقل کو بھی یہ راہ بھولی ہوئی
دستک ہیں یہ حربِ فزائی کے

عقل کیوں وقفِ فاقہ مستی ہو
داغِ موی سے ریا کے دھو غافل
زلف کھولے ہوئے ہی عیش کی حور
خانہ دل میں پھر اتار اسے
رمضان کی یہ پیاری بیٹی ہی
پر یہ شہن ہو اک چھٹی عیار
سرمر آنکھوں میں یہ گھٹائی ہی
عاشقوں کو لکھائی جاتی ہی

یہ جہت پڑی برستی ہو
عید کی رات ہی نہ سو غافل
ہو سیا ہی میں شام کی اک نور
پہلے تو کر لے خوب پیار اسے
اب جو دل میں یہ آکے لیٹی ہو
گرچہ موعمتی بڑے دیندار
مندی ہاتھوں میں یہ لگاتی ہو
کپڑے انواع بہ بدلتی ہو

ہر نمازی سے ساز ہر اس کو
مسجدوں میں یہ آپٹیتی ہو
کوئی مسجد نہیں بھی اس سے
کہیں رگتی نہ یہ اٹکتی ہو
ہر اماموں سے پانو پڑ وائی
زلف میں جھٹے بال ہیں اس کے

بوسہ بانہی نماز ہر اس کو
جس سے پاتی ہو جا چمٹتی ہو
ہر مصلے سے دل لگی اس سے
عبید گاہوں میں جا دھکتی ہو
اوپنی ناکیں ہو یہ رگڑ وائی
اُتے آشفہ حال ہیں اس کے

کس قدر ہر مقام عبرت کا
دھوم ہو مٹن اور بطلالت کی
تھی تراویح کی جہاں تسبیح
فاقہ مست اب ہیں وقف بدستی
دل جلائے ہیں زاہدوں کے کباب
چار قتل کا پڑا جہاں غل تھا
جس جگہ تھی نماز وقف درود
لطف تھا جس جگہ تلاوت کا
تھا مصلے جہاں بچھا حافظ
کیا زمانے کی ہو یہ نیرنگی
دین کی کونیاں جزا بے

ذکر تھا جس جگہ عبادت کا
رہ گئی آڑ ہو عبادت کی
چل رہی ہو وہاں مے تفضیح
بہ گئی مے سے زہد کی بستی
خول بہاتی ہو عابدوں کی شراب
واں ہو مینا سے شور قفل کا
رند ہیں واں نشے میں سر بسجود
نغمہ ہو واں ترانہ دھڑپ کا
پہاں رنڈیاں خدا حافظ
آگئی کس جگہ میں سارنگی
کمر شیخ سے بندھے طبلے

وہ حضرت کیا کیا تم نے
ایسی عبرت انہیں مبارک ہو

ہنسنے ہنسنے رو لادیا تم نے
جن کی جاں انقدر تبارک ہو

ہم تو حافظ نہ کوئی مُلا ہیں
دل سے مغموم ہو نہیں سکتے
کہیں آفت نہ کوئی آجائے
عیش ہو گر کلی ہو دل کی کھلی
ہیں یہی عیش و وصل یار کے دن
ست ڈرا گل کو خار نوکوں سے
گل ممکنے ہیں گر ممکنے دے
شہر کی فکر سے نہ ہو لاغر
سناخ گل گر کوئی چمکتی ہو
گل ٹپکتا ہو گر چمکنے دے
کھینچتے کیوں خزاں کا ہو فوٹو

اچھے خاصے جوانِ رعنا ہیں
چاہیں رونا تو رو نہیں سکتے
ہنسنے دو جب تک ہنسا جائے
واقعی زندگی ہو زندہ دلی
گل کھلیں کیوں نہ ہیں بہار کے دن
جمو منے دے ہو اے جھونکوں سے
بلبلوں کو ذرا چمکنے دے
گر چمکنے ہیں پھول کے ساغر
تیری گڑھی نہیں اُچکتی ہو
نہیں لیتی وہ کچھ چمکنے دے
آؤ لذت بہار کی لوٹو

ایک دو جام پی شراب ضرور
قال شہباز ربنا لغفور

پروفیسر شہباز کے بازیچہ انگیز خیالات

کھیل ہو یہ عجب دھڑلے کا
جب لگے ایک ہاتھ بٹے کا
کام ہو اس میں بانہ بٹے کا
شور ہو صلے اور بٹے کا
عیش تندیب کے محلے کا
خوب ہو کھیل گیند بٹے کا
گیند گھر ڈھاکے رکھ دے چھلے کا
بلا راکفل ہو اچھے پتے کا

کھیل گویا ہر وقت ہلے کا ڈھیر ہوگا سراور کھلے کا

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند ہلے کا

کھیل پھیلنا ہر گیند ہلے کا کام یاں کیا بھلا مصلے کا

شیخ سے پوچھو بھاؤ فلے کا ہر یہ اک مسخرہ محلے کا

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند ہلے کا

اس کی ہر سب دلوں میں دھاک پڑی دہشت اس کی ہر بازوؤں میں بڑی

جب کہ اس نے ٹٹس کی دھول جڑی بھاگی سر کو بچا کے گیسند تڑی

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند ہلے کا

گیند زوری سے آتے جاتے ہیں برقت کی پھرتیاں دکھاتے ہیں

ضرب پر ضرب سر پہ کھاتے ہیں اس پہ بھی منہ نہیں پھراتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند ہلے کا

کبھی رکتے کبھی جھکتے ہیں کبھی دبتے کبھی چمکتے ہیں

دوڑتے ہیں کبھی اُچکتے ہیں ناچتے ہیں کبھی چمکتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند ہلے کا

اوپنچے جا کر یہ تنخے آتے ہیں آگے جا کر یہ پیچھے آتے ہیں

ترچھے جا کر یہ آرٹے آتے ہیں سیدھے جا کر یہ اُلٹے آتے ہیں

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہر کھیل گیند تلے کا

دلِ ربا ان کی ہیں منا جا تیں کرتے ہیں آسمان سے باتیں
دل کے لینے کی یاد سب گھاتیں لطف میں ہیں یہ وصل کی راہیں

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہر کھیل گیند تلے کا

رجعتِ قہقری میں طرزِ شہاب دھوپ کہتی ہے برق چھا نوسحاب
شیخ سمجھیں اسے خیال کہ خواب آسمان سے اتر رہا ہے نواب

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہر کھیل گیند تلے کا

چرخ پر بیچے کسان بنی زہ زباں پر۔ خدا کی شان بنی
بان کی ساری آن بان بنی جان پر۔ جانتی ہے جان بنی

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہر کھیل گیند تلے کا

پوچھ گیندوں کی تم نہ مجھے معفات دل بٹھانا ہے ان کو ادے بات
جس طرف نوح کریں یہ مثل نبات لیتے ہیں لوگ ان کو باغوں بات

عیشِ تہذیب کے محلے کا
خوب ہر کھیل گیند تلے کا

کیا ہیں یہ موتی چور کے لٹو جن پہ ہیں اس مزے سے سب لٹو
گو کرے کوئی مار کر اُٹو لوٹ کر ہاتھ سے نہ پھڑکیں بھو

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند تلے کا

جیسے ہاتھ آیا کوئی لکاب بڑا
جسکو ہاتھ آئے یہ اچھل وہ پڑا
کوئی تریف کر رہا ہر پڑا
کوئی شاباش دے رہا ہر کھڑا

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند تلے کا

پہلے خود کو ذرا سنبھال لیا
گیند کا بعد ازاں خیال کیا
اُچھلے جب گیند نے نہال کیا
گیند کو بھی ذرا اچھال دیا

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند تلے کا

گیند کب ایک جا کہیں پر ہیں
آسمان پر کبھی زمیں پر ہیں
گہرا اور گہے میں پر ہیں
کبھی سر پر کبھی جبین پر ہیں

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند تلے کا

بیقراری میں سر بسر سیما
برق کی طح ہر جگہ بے تاب
گرمیوں پر ہر زمیں وہ شباب
ہاتھ میں بھی ہو گر تو پا برکاب

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند تلے کا

دیکھ اس خوش جبین کی گردش
گردِ چشمِ حسین کی گردش
اس میں ہر دور بین کی گردش
ثابت اس سے زمین کی گردش

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند تلے کا

دور میں اس کے علم و فن کا حصار اس کے مرکز پہ ہند سے کا مدار
فوس سے اس کے صید شوق شکار قطر کے اس کے تشنہ لب اقطار

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بلے کا

جب تلک ہوں نہ پورے چودہ روز ماہ کا گیند ہو نہ مہر افسر روز
کیوں نہ ہو دل میں تاب کے سوز چودھویں شب ہو گیند کو ہر روز

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بلے کا

خز بڑے کو ادب بٹھائے پرے شرم سے سبب بھی نہ بات کرے
پیڑان کے رہیں اتنی ہرے باغِ صحت کے ہیں یہ سنگترے

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بلے کا

بلے کے چلے سے یہ جڑتے ہیں تیر کی طرح جا کے مڑتے ہیں
برق کی شہپروں سے اڑتے ہیں مڑ ٹپکتی ہو جب پخڑتے ہیں

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بلے کا

بلے رکھتے ہیں ایسے ڈونڈ بلے جن سے دبتے ہیں تیکے اور جھلے
جس گھڑی ان کے ہو گئے بلے ڈھیر ہی ڈھیر ہیں سدا وکلے

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بلے کا

ان کے قبضہ میں دل نشینی ہو گو نہ ہو آنکھ دور بینی ہو

ہر طرح صحت آنسو رہی ہو ان کی لکڑی میں چوب چینی ہو

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بے کا

دور سے جب دکھاتے ہیں جھلکی جھلک ان کی ہر صاف بوتل کی

بوند کب یہ پسینے کی ڈھلکی نر ہو صحت کے جام سے چھلکی

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بے کا

جھلک کے کہتی ہو چور کی گردن نور کا تن ہو نور کی گردن

نہ جھلکی گر بلور کی گردن مارے بلوں کے چور کی گردن

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بے کا

وارنش کا عجیب روغن ہو جس سے لکڑی بھی شمع روشن ہو

پھیلتا اس سے نور چھن چھن ہو روشنی تن ہو نور گردن ہو

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بے کا

کچھ عجیب دانو گھات کرتے ہیں دن حریفوں کے رات کرتے ہیں

جب کہ گیندوں سے بات کرتے ہیں یہ پٹنوں کو مات کرتے ہیں

عیش تہذیب کے محلے کا

خوب ہو کھیل گیند بے کا

وار چلتے ہیں ان کے جب زن زن دم نکلتے ہیں یاروں کے سن سن

ڈھالنے زن ہیں کہیے جب زن زن کام مارے بلوٹے ہیں بن بن

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند بے کا

ظلم ہیں بولی ٹھولیاں ان کی موت ہی ہیں ٹھٹھولیاں ان کی
رعد کرٹ کا بیس بولیاں ان کی برق ترپائیوں گولیاں ان کی

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند بے کا

کام کے اپنے ہیں بڑے بچے بیٹھتے یہ نہیں کبھی تھک کے
دیکے گیندوں کو سوطح دھکے ہیں چڑھتے حریفوں کے چھکے

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند بے کا

بلے جڑات کو گرنے دیتے راہ حال ہوتا بہت وکٹ کا تباہ
تھا جو بلوں کے حال سے آگاہ آڑ میں ان کے لی وکٹ نے پناہ

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند بے کا

اس سے صحت کو و جہانیش و ناز زندگی کو پیامِ عمر و راز
شوق کے اس میں بند راز و نیاز یہی کرکٹ ہی حضرت شہباز

عیشِ تہذیب کے محلے کا

خوب ہر کھیل گیند بے کا

پروفیسر شہباز کے قلم و خیالات

آبِ رواں

(۱) سرچشمہ

(خدا رکھے ہمیشہ خرم و شاد)
وہ جن کی نظم نے موتی بکھیرے
غضب جاری ہو اس چشمے کا پانی
دکھائیں ہند کی یہ اُن میں لہریں
یہ ہندی ستوخ کے جلوے دکھائیں
لڈو آیا چلا ہندوستان میں
فصاحت آشنا اردو کے لہجے
یہ اردو کے محلّے کی ہیں فوجیں
جمائے ہیں پرے مصدر قوافی
اُٹھیں موجیں طبیعت میں خوشی کی
ترنگوں پر ہوئیں پیدا ترنگیں
قلم سے بوندیں بن کر شعر پٹکا
پئیں حاضر ہر آبِ زندگانی

الہ آباد میں خوبی سے آباد
ہیں میر اکبر حسین ال دوست میرے
طبیعت میں بلا کی ہر روانی
رواں ہر چند ہوں یورپ میں نہریں
فرنگی بحر گو آئینے لائیں
سمجھ لو سحر ہی کیسا بیاں میں
ہوے سودی کے انگلش زالبوں سے
کہاں ہیں چشمہ سودی میں موجیں
لیے ہاتھوں میں تیغ موجِ صافی
مسلسل نظم میں نے جب یہ دیکھی
امنگوں پر بڑھیں دل میں امنگیں
قلمداں پر سخن کا ہاتھ لپکا
کہاں ہیں تشنہ کا مانِ معانی

اڑا طرزِ حرام البیلیوں سے
 کھلاتا، کھیلتا، ہنستا، ہنساتا،
 شکتا، جھومتا، تنتا، اکڑتا،
 جھمکتا، بھمکتا، جگمگاتا،
 دکھاتا زور، غل کرتا، کر دکتا
 لپکتا، دوڑتا، پھرتی دکھاتا
 اُچکتا، بھانڈتا، گرتا، لڑھکتا،
 مچکتا، پانوں پھیلاتا، بلکتا،
 لہرتا، تھر تھراتا، تلملاتا،
 سمٹتا، پھیلتا، مڑتا، مڑاتا،
 کترتا، چھانٹتا، پُزے اڑاتا،
 الف ہوتا، پڑا کاوے لگاتا،
 کبھی گھوڑ دوڑ میں کف منہ پہلاتا
 گریباں چاک کرتا، سرپٹکتا،
 اٹھا کر سوئڈ فوارہ اڑاتا
 تڑپتا، لوٹتا، چڑھتا، اترتا،
 کھسکتا، بھاگتا، رکتا، ٹھہرتا،
 لپٹتا، چھپیرتا، چھوٹتا، چھلاتا،
 کبھی ڈنڑ پلپٹتا، جوڑی ہلاتا،

چلا آبِ رواں اٹھکیلیوں سے
 تھرکتا، ناچتا، گاتا، بجاتا،
 گرجتا، گونجتا، بنتا، بگڑتا،
 پھسلتا، لڑکھڑاتا، ڈمکاتا،
 مچاتا شور، ڈانٹ اٹھتا، جھڑکتا،
 اُچھلتا، کودتا، چکر لگاتا،
 جھجکتا، روٹھتا، بھڑتا، بھڑکتا،
 سمٹتا، کا پنتا، روتا، رسکتا
 بلکتا، بلبلاتا، گرد گرداتا،
 اُبھرتا، ڈوبتا، اُڑتا، اُڑاتا،
 کپکتا، کوٹتا، چھکے چھڑاتا،
 دولتی چھانٹتا، پشتک اڑاتا،
 کبھی فوجوں میں گھس کر ہنستا
 رگڑتا ایڑیاں، دامن جھٹکتا،
 دھوئیں کے زور سے پارہ اڑاتا
 جھپکتا، باؤلا ہوتا، بپھرتا،
 جھمکتا، جھاڑتا، بنتا، سنوڑتا،
 چھڑکتا، چھپٹتا، دھوڑتا، دھلاتا،
 کبھی خم ٹھونکتا تیوری چڑھاتا

پہاڑوں کا کہیں دامن دباتا
 صدف میں گوہرنا یا ب بھرتا
 شبک چھانوں کا پھندا بناتا
 زمرہ پر کہیں پارہ بچھاتا
 ستاری چھپرتا، ارگن بجاتا
 اُلجھتا خار سے، گل سے اُگلتا
 کٹر بجرے کو مرغابی بناتا
 مُکلف مینر پر چادر بچھاتا
 شگوفہ چھوڑتا، غصہ چڑھاتا،
 کبھی کھیتوں میں شاخ زر لگاتا
 جھلٹاتا، جھولتا، پینٹیں بڑھاتا،
 بہک پڑتا، سنکتا، سنساتا،
 بڑھاتا ہر طرف موجوں پہ موجیں
 کبھی سیلاب سے چاندی بناتا
 پنھناتا شمس کو زرتار سائے
 کھلاتا روز و شب سورج کو غوطے
 زمیں کی گود میں گرداب بھرتا
 بناتا مورچے، توپیں چڑھاتا
 نگلتا سپیاں، موتی اُگلتا
 کرانا، پھینکتا، پھٹتا، اُٹھاتا
 کبھی اوجوں پہ پھیلاتا تنہا ہی

درختوں کی کہیں شاخیں چباتا
 گمر کی شیشیوں میں آب بھرتا
 مسلسل موج کا نقشہ جماتا
 کہیں پارے کو فیروزہ اڑھاتا
 ادھر عریں ادھر پریاں نچاتا
 پچھتا، پھولتا، دبتا، سٹکتا
 بشر کو مردم آبی بناتا
 معلق شہر کو دعوت کھلاتا
 عداوت ڈالتا، منڈھے لڑاتا
 کبھی منڈی میں زر کو پر لگاتا
 کڑکتا، چختا، تانیں لگاتا
 اُچک پڑتا، لپکتا، دندناتا،
 چڑھاتا چار سو فوجوں پہ فوجیں
 کبھی چاندی پہ لے سونا چڑھاتا
 بناتا چاند سے چاندی کے پائے
 اڑاتا عقل کے ہاتھوں کے طوطے
 بھنور کی ناند میں سیلاب بھرتا
 سجاتا پلٹنیں، فوجیں بڑھاتا
 ہماتا قفلیاں سانچے میں چھلتا
 چھٹتا، چومتا، پلٹتا، سساتا،
 کبھی موجوں پہ جھمکتا سیاہی

<p>زباں بنکر کسی جا چاٹتا سنگ کبھی زوروں پہ چمکاتا ہوا زر طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگاتا</p>	<p>کبھی پکڑیوں کا ڈالتا ڈھنگ کبھی پتھر سے ٹکراتا ہوا سر نگینے سنگ ریزوں کے بناتا</p>
<p>(۳) سمندر اور اس سے ہم آغوشی</p>	
<p>ہر اک کوشش سے سو سو عہد کرتا کڑوروں پیارے ہم چشموں سے ملتا کڑوروں کشتیاں الفت کی کھیتا</p>	<p>غرض آبِ رواں یوں جہد کرتا ہزاروں تازہ دم چشموں سے ملتا جلو میں ندیوں نالوں کو لیتا</p>
<p>سمندر</p>	
<p>پڑے جس میں کڑوروں ابنِ طحی سے کڑوروں جس میں اسرارِ الٰہی عیاں جس کی اُنچائی شد و مد سے سیٹھے خوبیاں سمٹاؤ جس کا حدیں جس کا سرا بتلا نہ سکتیں زمانہ جس پہ دم لینے کو رکتا ہوا اک عاشق بے صبر جس کا بلا گردان جس کا مہر گردوں شفق پھولی ہوئی جس کی بدولت جہاں موروں سے کم گھوڑوں کا رتبہ چٹانوں کو جہاں در سے بچاتے</p>	<p>بڑی ہواکِ عظیم الشان شہر سے ہزاروں جس میں مخفی گنجِ شاہی زیادہ جس کی گہرائی حرد سے خیالوں سے بڑا پھیلاؤ جس کا نگاہیں جس کا پایاں پانہ سکتیں فلک جس کے قدم لینے کو جھکتا زمانے سے ہوا خواہ ابر جس کا ستارے جس پر پیدا - ماہِ مغزوں گھٹا چمکی ہوئی جس کی بدولت پھاڑوں کو جہاں روڑوں کا رتبہ جہازوں کو جہاں قمارے بچاتے</p>

جہاں ہر موج جنتی سوہما چل جہاں خرد چشم قدرت حیرت آمیز	جہاں ہر لوند جنتی بندھیا چل جہاں طوفانِ نوح اک موجِ نو نیز
ہم آغوشی	
مطابق فارسی کی اس مثل کے کبوتر با کبوتر باز باز ہوا آخز سمندر سے ہم آغوش	عبارت مختصر اٹھ کے سنبھل کے کند ہم جنس با ہم جنس پرواز بنا آبِ رواں اک قلزمِ جوش
حسین ساگر	
ہیں بوجہ حسن جو حسین ساگر میں اسی سے قند کا شربت ہو جامِ شکر میں کہ لمی ایسی ہوں آئینہ سکندر میں صفائیاں یہ کہاں گیسوئے مغنیر میں بھری ہوئی ہو بلاغتِ صبا کے مسطر میں طلب ہو جن کی بہت تشنگی کے لشکر میں ہیں کوہِ لوز جڑے صاف تاجِ قیصر میں کہاں یہ اتنی سکت اور ستادِ زرگر میں مگر یہاں تو ہو پھیلا ہوا سمندر میں ستارے جتنے تھے آبادِ قصرِ خضر میں بلند بام سے دھم سے کسی سمندر میں	صفت وہ کونسی ہو شیخِ حوضِ کوثر میں؟ اسی سے شہد کی بوتل میں ہو شرابِ شفا بتائیں اس کو ہم آئینہ سکندر جب بکھر کے دوشِ مصفا پہ لاکھ لہرائیں نکل رہی ہیں لطافت سے موج کی سطح میں بناتی موجیں ہیں اس کی وہ خوش نماز میں شعاعِ مہر سے موجوں کے جھلکے پہلو گلا سکے کوئی غوبی سے اس قدر چاندی کنوئیں میں سنتے تھے سیلابِ بند رہتا ہو لگے نہ تیرنے اگر غروب ہوتے ہی فلک ہی کو دپڑا یا کہ لیکے انجم کو

خوشی سے تیرے پھرتے پر اسات دہ طیو سُائی دیتے ہیں سرخاب کے خزین نالے عجیب وضع سے مرغابیاں ہیں قف ثنا دوچار ہوتے ہی کھینچ جائے ہو ہو نصیر	طلسم بال ملائک ہر جن کے شہر میں شبِ فراق لکھی جس کے ہر مقدّر میں ہر سوپ چھانو پیٹے گلے میں اور میں کمال اتنا کہاں ہر فٹو گرافر میں
--	---

نہیں یہ حوض ہر شہباز شہر کا زیور
بھری ہیں آب کی جانو بیاں زیوریں

پروفیسر شہباز کے شگفتہ خیالات ہنسی

ہم دکھاتے ہیں تمہیں آج ہنسی کی شاہین قدما کہتے تھے دنیا کو کہ ہر دارمجن دیکھتے رہتے تھے ہر دم لحد و قد کو سینے کو وقف سمجھتے تھے وہ ماتم کے لیے آنکھیں رونے کو تھیں تیار نظر پٹینے کو پٹی ہتی تھی ہنسی ہونٹوں پہ منخوس سے کبھی ہونٹوں پہ جو بھولے سے ذرا ہوتا تھا جیسے بیمار کبھی پی کے دوا ہنستا ہو ناخن غم کا دکھاتا تھا انھیں حم ہر چاند اُن کا چلہ نہ فقط چلہ غم پورا تھا	بخشنی جن کو نلکے ہیں خوشی کی کاہن قد کو گردار سمجھتے تھے تو زلفوں کو سن نخل تابوت سمجھتے تھے نہال قد کو دل کو موزوں وہ بتاتے تھے فقط غم کے لیے تھے تلے ہاتھ سدا سینہ دیر پٹینے کو دانت کھلتے تھے تو کھلتے تھے وہ بابوسی سے زہر میں غم کے بسم وہ بچھا ہوتا تھا لوٹے چلے پہ کبھی جیسے تو اہنستا ہو نظر آتا تھا انھیں ماہِ محرم ہر چاند اُن کے ہر ہنسنے میں اک عشرہ عاشق تھا
--	--

ہر رست سے بھی وہ غم کا اڑھلنے تھے
 دل کی نظروں میں تھا چشمہ وہ تھی چشم پر آب
 چشمہ بہتے دینا میں وہ تھے پُر اشک
 ہر رست سے تھے وہاں پہلے تھے جینے سے اٹھا
 کے لئے ہر رست کی گھٹا چھائی تھی
 یہاں سے جاتی تھی یاروں کی رحمت نظر
 پہنچنے لگتی تھی ہوا جب کبھی ٹھنڈی ٹھنڈی
 رائے کو گو ہر خوش آب سمجھتے یہ نہ تھے
 رشک سے رشک کہ اب اگلا زمانہ بدلا
 بیوہ سی شاذ زمانے کی چڑھی رہتی ہو
 شام میں بھی نظر آتے ہیں سحر کے جلوے
 رات آتی ہو نظر زلف سلسل کی طرح
 آئے ظلمت بھی تو وہ نور سے لپٹی آئے
 بے چراغ اب ہیں اماں میں گھر انوں کے
 کیونکہ روشن ہو جدھر دیکھو گھٹا بجلی سے
 مثل طوفان کے طوفان کا ڈراب وہ نہیں
 پختہ مغزی اسے گو عقل کی خامی سمجھے
 مدد اب ہر کثرت سے پہنچتے موتی
 پہنچنے پہ دیکھ کے خفت کا افرانوں میں
 کی آتی ہو گھٹا ہستی ہوئی تخت کی رست
 ہر رست سے بچائے قالین

آنکھیں کھڑکی تھیں وہ دیکھ جلدھر لیتے تھے
 تھا کوئی چاک گریباں نہ کھلا تھا وہ گلاب
 آتش آتشو بہا تھے پڑے بھر بھر شک
 رعداں نالہ جانکاہ تھا سینے سے اٹھا
 بدی چنگ قیامت کی اُسٹڈ آئی تھی
 نقشہ کی طرح جی بہتی تھی رحمت پہ نظر
 سرور ہی ہو اُڑا دیتی تھی اپنی جھنڈی
 برکت کو قائم و سجاو سمجھنے یہ نہ تھے
 بائیں اگلی وہ کیٹیں ٹھنک پڑا نا بدلا
 کو کہک راگ میں عشرت کی بڑھی ہستی ہو
 ہر عالمے تھی میں ہیں اثر کے جلوے
 آسماں تاروں سے ہر شمع کے آپل کی طرح
 آئے جھنک بھی تو وہ نور سے لپٹی آئے
 غم نہیں اب ہی ہمیں ابر کی تاریکی سے
 حل کا دن کے بھی سہرا ہو تو سر راتوں کے
 رعد کے شور سے رعشے کا اثر اب وہ نہیں
 ہم تو بجلی کے کرکٹ کو سلامی سمجھے
 تار بارش کے ہیں سہروں میں پڑتے موتی
 قہقہے زور کے اڑنے لگے پر نالوں میں
 ندیاں دھوئیں نالوں کی چڑھاتی ہیں برت
 بھیاں ہولوں کی شاخوں نے گلے میں الیں

پھول نہتے ہیں اگر دشت میں گلزاروں کے
کرتی ہر چھڑے کو مور کے بلبل چہ چہ
چھیر رکھے ہیں خود رنکے ہنسی کے کل ساز

تھکے کبکے دامن میں ہیں کُساروں کے
ہنستی ہر قلقل بینا پہ صراحی تہ تہ
آرہی چار طرف سے ہو ہنسی کی آواز

صبح کی ہنسی

چہرہ صبح سے ہٹنے کو ہیں شب کی زلفیں
خطِ ابریز نہیں آتی ہر نکل نور کی مانگ
نکلی وہ مانگ، ہر کھلنے کو سحر کی وہ جبین
روشنی تاروں کی بھی ماند ہر پڑتی جاتی
شرم قدرت کو تکلف سے ہر آنے والی
ہر صبا منہ سے دوپٹے کو ہٹاتی جاتی
منہ سیمانہ کوئی ماہ جبین لیٹی ہو
نیم باز آنکھیں ہیں سستی کی دکائیں کھولے
مر عشرت ہو نگاہوں سے اُبلتی جاتی
اب تو چچتا ہی نہیں کوئی نگار آنکھوں میں
پابندی جب کہ جگانے کو شعاعیں آئیں
کروٹیں صبح قیامت کی بدلتی اُٹھتی
بوجھ ہلکا سا کسی دوش پہ دیتی اُٹھتی
منہ دھلانے کو نہ کلثوم نہ مریم دوڑی
جو بن آیا نظر اس عمر کا اُٹا اُٹا
رنگا نے لے کے بُرش چہرے پہ پوڈر چھڑکا

شکل سہٹ کر ہیں پکڑے کو طرب کی زلفیں
اے ارشاد اب تو دعا اپنے لیے حمد کی مانگ
لکشاں اب نہ رہی تیرے قمر کی وہ جبین
دیکھو قتال ہو یہ قدرت کی بھی چھڑتی جاتی
سادگی صبح کا جو بن ہو دکھانے والی
ہر جھلک حسن کی کچھ کچھ نظر آتی جاتی
بستر خواب پہ خود صبح میں لیٹی ہو
جن کے دامن میں گاہیں ہیں بنائیں تو لے
کروٹیں عیش کی آنکھیں ہیں بدلتی جاتی
کیونکہ چھایا ہو قیامت کا خمار آنکھوں میں
ڈرتی ڈرتی کہ جگائیں نہ جگائیں آئیں
آنکھیں ہاتھوں سے اک انداز سے ملتی اُٹھتی
کچھ عجب شامیے اُٹا اُٹا لیتی اُٹھتی
آفتابہ لیے غور شید کا شبہم دوڑی
منہ کا دھونا تھا کہ اک لوز کا ور یا اُٹا
بونے باغوں کے اُٹھا شیشے، لونڈر چھڑکا

ہرے کی رنگ سے پوڑ کے چاک اور ہوئی
کیوں خوشی سے نہ پڑے لعل نظر ہونٹوں پر
لب خنداں ہی نہیں کچھ گل نسیم دونوں
لب کو گالوں ہی سے کچھ گل دیے دونوں
دیکھیے ہرے کو جس رخ سے یہ اہمستاہر
چکی پشانی پر اقبال ضیاء بن کے ہنسی
دل سے مٹے مٹا ہنسی بن کے تسلی پھیلی

منہ کی گرمی سے لونڈر کی دھاک اور ہوئی
آ رہا ہر وہ بستم کا اثر ہو نٹوں پر
اب تو خسار بھی ہیں اس انگلیں دونوں
پہول آنکھیں بھی ہیں گس کے لیے دونوں میں
پھر وہ کاپہ ہر اس پیرلوں کا گلستاہر
دلی گالوں پر خوش آئینہ چار کے ہنسی
جلیبوں کی ہو گھٹا لٹپ بجلی پھیلی

ہنسی کیوں آتی ہے ؟

یہ تو مانا کہ خوشی دل سے چلی آتی ہے
منہ کی ظاہر ہے، کبھی سے تو ادا ملتی ہے
تاب رخ آئینے کا رنگ تو جھمکاتی ہے
جھڑپیں تارے سے جس سطرے، وہ ٹوکوسی ہے
مختلف آئیں ہیں اقوال تو کیا رحمت ہے
بعض کہتے ہیں کہ مصدر ہے تعجب اس کا
ہر سمجھا تا کوئی قدرت کے سبب کا طالب
بے سبب کیوں کہوں، ہر ایک سبب کافی ہے
لاکھ بھی کیوں نہوں دنیا میں خوشی کے ابواب

مگر اس کا ہر سبب کیا کہ ہنسی آتی ہے
ہر ہوا کو دنی جن سے یہ کلی کھلتی ہے ؟
کوئی سیقت اس آئینے کو چمکاتی ہے
جلیبیاں جس سے کہ نہ ہیں وہ رنگ کوئی ہے
اختلاف العلماء متفق الرحمت ہے
بعض کہتے ہیں ہر جدت کو تقرب اس کا
لم خیال غلبہ کی بہ گمان غالب
ہر قرین قول پر تحقیق سے جو کافی ہے
منحصر ہیں انھیں تینوں میں ہنسی کے ابواب

جدت

سب سے پہلے ہمیں جدت میں مزا آتا ہے

وہ مزا ہے ہی جہول کی غذا لاتا ہے

جانستی گرچہ نہیں روح کا جتا جدت
 رات دن دودھ اُسے ہی یہ پلاتی رہتی
 ٹٹلی بانڈھ کے پیچھے جو ہیں دیکھا کرتے
 آنکھیں پھرائی ہوئی سی جو ہیں پچھے کھولے
 بیندہستی بیٹھ کے ہر ان میں وہ مولیٰ جدت
 انہیں لٹو سے کلی دل کی کبس پڑتی ہو
 آنکھیں پھرائی ہوئی آئینہ حیرت ہیں
 منہ پر رہتی ہو جو ہر وقت خوشی چھائی ہوئی
 ہر نئی چیز سے تازہ آنکھیں لطف آتا ہو
 اُن کے دل کے لیے پیغام خوشی ہو ہر چیز
 اُن کی نظر میں یہ کل چاند ستارے ہیں نئے

مہر دنیا میں ہی پر سوج کی آنا جدت
 چوم کر منہ ہو محبت سے ہنسائی رہتی
 نالچ گھر میں ہیں وہ حیرت کا تھاکرتے
 جن میں قدرت کے سمندر نے ہیں مٹی رو لے
 ہو آنکھیں عقل کی لڑیوں میں پروتی جدت
 اور دھن بن کے خوشی چہرے پہ ہنس پڑتی ہو
 جن کے جوہر ہیں چھپے لاکھ پر قدرت ہیں
 ہو حقیقت میں وہ جدت ہی کی کھیلانی ہوئی
 پھول شہرے کا مسرت سے کھلا جاتا ہو
 کیونکہ دیکھیں وہ جدھر اُن کو نئی ہو ہر چیز
 اُن کی آنکھوں میں کل اکمل اشارے ہیں نئے

خیالِ غلبہ

تو تیں پچھے کی جوں جوں ہیں ترقی کرتی
 طاقتیں ظاہر و باطن میں جو آ بھرتی ہیں
 پدینے خاص اکھاڑوں میں ہیں نے لگتے
 تاؤ موچنوں پہ شجاعت سے ہیں بھرنے لگتے
 بجلیاں کر کے کی کیا ہیں کر لے لگتی
 فتح بب آ کے قدموں سے بجا لاتی ہو
 ہر ظفر موچنوں کے پرچم جب اڑانے لگتی
 رزخرفاں مار کھلا دیتا ہو اک غلہ نظیر

گود جدت ہو خیالِ غلبہ کی بھرتی
 جدتیں غیر سے دعویٰ انا کرتی ہیں
 ہاتھ تم ٹھونک کے کُسنی ہیں چھوٹے لگتے
 کلے بیروں کے ہیں دوا کھوس سے چرنے لگتے
 چھاتیان شہت و جبل کی ہیں سڑکنے لگتی
 چوم کر منہ کو خوشی چہرے پہ چھا جاتی ہو
 ہو ہنس ڈالھی پہ سوزائے آئے لگتی
 زرگس دل میں خیالِ غلبہ کا کشمیر

تعجب

ہر تعجب بھی خیال غلبہ غیر کا لیک
ہم سے کیا بحث مگر غیر تو غالب آئے
بالکنا یہ ہر خیال غلبہ یہ بھی ضرور
غلبہ جھٹ ہمیں ہمدرد بنا لیتا ہے
ہر خیال غلبہ ہم کو، کوئی غالب ہے
اخطا ط آئے ہر جب ضعف قوی پھیلاتا
جب جوانی ہتی یہ کتنے تھے رہتی و غالب
غلبہ غیر کو ہے اور ہمیں خوش حالی
ضعف کے ساتھ تعجب ہر ترقی کرتا
ضعف کے ہاتھوں سے ہوتا ہے جب ایشاں مہول
پہلوں پر کے اکھاڑے میں کھڑا ہے بوڑھا
اسی پٹھے پہ تفاخر کی خوشی ہے موقوف
ابھرے جب جھیل کے کشتی کی کشاکش پٹھے
دل کو خوش کرتی ہے تہا زہر اک پن کی منسی

الغرض قید محل چھڑو تو ہیں توں ایک
دل میں اس طرح تفوق کے مطالب آئے
جس میں بھرتا ہے غور آئے مشینیت کے سرور
کھینچ لیتا ہے دل اور ہم کو سندا دیتا ہے
ہر خوشی ہم کو ظفر چاہے کسی جانب ہے
ساغر ناز میں دل قرض کی ہے کی لانا
لیک انوکڑے زبں ضعف قوی کے غالب
قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی
دل مغلوب کی غالب ہے تشنی کرتا
طبع باقی ہے تعجب میں تلافی کے اصول
جس نے تیار تعجب کا کیا ہے پٹھا
اسی پٹھے سے تھرکی ہنسی ہے مالوت
ٹھونکنا پٹھے منس منس کے کہ شابش پٹھے
ہو بڑھا ہے کہ جوانی کہ لڑپن کی منسی

پرویش شہباز کے نو طرز عاشقانہ خیالات
قصیدہ

ہر تقاضا عشق کا میں بھی کوی ناول لکھوں

زلف و رخ کے سب کچھ نیاں اوقات دل لکھوں

کشت و خون کا ہوا اگر منظور دکھلا نا سماں
 نامیہانہ طرز سے بابتیں لکھوں کچھ صاف صفا
 عشق کو مقتول کردوں گا ہجرت عقل سے
 شوق کو تسکین بخشیں اگر کسی کے رخ کے تل
 حسن کے عشرہ تلکے کو گر بتاؤں بھئی
 شامِ حیراں میں کھلا کر مینہ پر غم کا دوز
 لب کو لکھو ام صراو رگالوں کو مصری صریح
 پیشِ جمالِ دلوں کے کرے جس دم ظرافت طافے
 برہم ہیں آکر کرے جس دم فصاحت شاعری
 حسن کو مطلب سمجھوں، شوق کو طالب ہو
 بحرِ اسو دلیلِ فرقت کو بتاؤں صبح و شام
 روزِ فرقت کو بتاؤں افریقہ کا دشتِ غم
 آنکھ سے دکھلا کے سبیلِ اشک کی سو پھرتیاں
 گریبِ زوئیں کھیں محوِ نشیمن میں اعتدال
 چشمہ کے اوراق پر لکھوں ”اور کا سا“ کی شرح
 صبر کی سلاک کے سینے کو بتاؤں اسپتال
 ہجر کی ذلت سے تنگ سر پڑھوں ملن کی نظم
 وقتِ کردوں جاؤں حشرِ نم سیلاب پر

ابروؤں کو تیغِ باندھوں چشم کو قاتل لکھوں
 عالمہِ شان سے کچھ مسئلے مشکل لکھوں
 عقل کو گہ عشق کی تاثیر کا قاتل لکھوں
 شوق کو فیور بناؤں رخ کو فیور پل لکھوں
 عاشقی کے غمکے کو دالستر ہو مل لکھوں
 آہ کی رنگین کوئل سے کمشاں پر بل لکھوں
 زلف کو نیل اور حبیب کو نیل کا ساحل لکھوں
 شوق سے پڑائے کو رولن محفل لکھوں
 درد کو غالب بتاؤں داغ کو بیدل لکھوں
 شرم و عزت کو قیدیوں کی طرح حائل لکھوں
 شام و صبح بھر کو پھر اُس کے دو ساحل لکھوں
 اور اٹل گھڑیوں کو اُس کی مونٹن بل لکھوں
 دوسری بہری کو کہوں، ہر بحر کو کابل لکھوں
 خطِ رجاں میں نہیں نوشیرواں عادل لکھوں
 اور قرعے کے حلشے پر نسخہ ”ناول“ لکھوں
 دال کے ہر پینٹنگ کو پھر پندائے سل لکھوں
 وصل کی دولت سے خوش ہو نکاتِ مل لکھوں
 ٹائمن کی لوح پر شہباز اپنا دل لکھوں

مولانا شہباز کے مہذب عاشقانہ

خیالات

مہذب عشق

آئی نہیں یہ بات اگرچہ قیاس میں
مجنون نہیں کہ بخد کی بن باس پر ہو غش
ہو بیٹوں میں اک چرٹ ہو دباس ہی ہر اک
مکڑوں پہ دل کے اب وہ نہیں بربھوک ہیں
کتر تک مینہ پہرین دھرسے سنخ سنخ تو اس
مدت ہوئی دن آبلہ پانی کے لدہ گئے
ہر تیش روی اب بھی مگر اعتدال سے
یوسوں کا کب ہو خط لبوں پہر چھینکس نکلیں
کہتے ہیں کوڑی شب جسے ہر امتحان عقل
کرنا نہیں ہر فروغ یہ اگر امنر کا بورڈ
لیکن نہ ہے نصیب کہ جائے گزٹ میں چھپ
نا کا میاب ہونے تو ہیں کچھ ضرور ادا اس
سر پہ وہ بھاگتے ہیں سنے سبز زار کو
ہو جلتے لہری باسی میں بیرون بھی کا میاب
عاشق کی کمان پہر کہ مٹا ہوا دن بہ دن
بارن، شلی، راندیس، سے تازہ کے دماغ

ہو عشق تو بھی اب تو مہذب لباس میں
ولیم ہو تو، بسا ہو لٹری کی باس میں
اب وہ نہیں کہ آگ لگا دے اکاس میں
قطروں پہ غول کے اپنا قناعت وہ پاس میں
اور زرد زرد شہر ہی بھری کچھ گلکاس میں
دیوار عرب پرے میں ہزاروں نخاس میں
جتنی کہ ترشی ہوتی ہو چٹنی میں ساس میں
گالوں کے شکر اور لبوں کے سپاس میں
خاتونوں کی جماعت مردم شناس میں
عذاس میں، پٹ میں، نانڈویں، گورداس میں
نام، اور چکے دور سے فہرست باس میں
اڑ جاتی ہو ادا اسی مگر دو گلکاس میں
سہ سہری ڈھونڈتے ہیں نئی سبز گاس میں
رہتے نہیں ہمیشہ چھٹے قید یا س میں
دُبا جو ہو گا کوئی تو سو میں بچاس میں
کھوئے نہ وقت میر حسن، کالی داس میں

فیشن کے تو پھاڑ کے پھینکے حریر کو
 ناحق جنوں میں اپنا گریباں کرے نہ چاک
 موقعہ کوئی طلائی جو قیمت سے ہاتھ آئے
 تلخی سے اس ادا کی سیٹھ نہ ناک بھوں
 توڑے بھی گروہ آسن دے اسکو توڑنے
 ادیبوں ہی بات بات پہ گراں ٹوٹ جائے
 انگشتی مرصع و رد مال و لیس شعی
 اسے عشق و فریب بہت ہر گز چھو نہ

لطف اطلس و خیر کا پاسے پاس میں
 سر کھولے تا فتور نہ آئے حواس میں
 عذراصل مدعا کے نہ ہوا التماس میں
 لذت وہ لے جو شیخ کو ملتی ہو تاس میں
 موسیقی کا میانی کی ہر بند آکسس میں
 ہر فرق کیا بناؤ پھر سالہاں میں اس میں
 لے لے تو لینے دے کہ ہر گز کیسے لاش میں
 انسانیت سے اس کے مستجاب پاس میں

سعدی

یہ اور رنگ ہیں اسے جس سے کہیں
 اگر پہ پہلے اہل کیمیا سے کہیں
 گریہ و زاری و افسوس و ہنسی
 انجیر و انگور کی ہر پھل سے کہیں
 تیش و تیر و تہ و تار سے کہیں
 احوال و عیش و عشرت سے کہیں
 شکر و کھوار و زہر و چوڑ و سینہ ہیں
 ہر ایک بات کو لے پختہ ہیں احوال سے کہیں

نہ چینیں ہی سنا سنے ہر ایک مطلب میں
 بہاتے سرکہ لقمہ سے کہیں چہرے سے کہیں
 گلوں کی طرح گلستان میں وہ گفتہ ہوئے
 کہنے پہ چین و جبر کے بھی گل کے پھول ہوئے
 بہن کے سر کے سے کہیں کا لطف آنے لگا
 ہر کاٹے پھول کے سے کہیں ہر ایک جھوک سے کہیں
 شراب و خال کے وہ دھڑ دھڑ دیتے ہیں
 ہمارے سر سے ہر آنکھ کو مال دیتے ہیں

بہنسی میں ڈال کے ناخوش گوار باتوں کو
گلوں کو گھوروں چربیا ہیں وہ بسا چھوڑیں
جہاں وہ جاتے ہیں قدرت ہی ساتھ ساتھ اُن کے
جہاں سمران کا ہی رحمت کا اُس پہ سایہ ہی
نگاہ کرتی ہی طر آسماں کے زینوں کو
وہ دل ہی یا کہ سوید کی غلنتوں میں گھرا
زمانے بھر سے بڑی گر چہ زندگی تو ملی
خدا ہی جانے کہاں وہ ہیں چھپائے پڑے
ہمار کی ہو گھٹا سر پہ آ کے جھوم رہی

لڑاتے بیٹھ کے ہیں مصریوں بناؤں کو
تووں کو چوٹوں چربیا ہیں ہنسنا چھوڑیں
خدا کے ہاتھ میں گویا ہیں دونو ہاتھ اُن کے
کہ سرنہیں ہی یہ قدرت کا ایک آہ ہی
شکست ملتی ہی آنکھوں سے دور بینوں کو
اُبل رہا ہی پڑا آب زندگانی کا ؟
مگر نصیب کہاں خضر کو یہ زندہ دلی
یہ ہر جگہ ہیں مگر باغ اک لکائے کھڑے
شگفتگی ہی قدم آ کے ان کے چوم رہی

پروفیسر شہباز کے گنگا جمنی خیالات

عزالت منزل

تنہائی کا میں عاشق ہوں
خاموش لبوں سے ناطق ہوں
چٹیلوں کے نغمے سُنتا ہوں
میں تو سر بے پر دھنتا ہوں
ہنستی ہی میرے ساتھ سحر
پھولوں کو دیکھ کے تازہ و تر

رہتا ہوں عزالت منزل میں
خوشیاں ہوں غموشی کی دل میں
کیا غم ہو اگر ارگن نہوے
گوشا ہر دستک زان نہ ہوے
ہنس نہیں کر جی بہلاتا ہوں
غنجوں کی طرح کھل جاتا ہوں

حیرت کی قطرہ شبِ نیم سے
 آئینوں میں اُن قطروں کے
 جب پھیلا سایہ پیڑوں کا
 کیوں جی میں ہونا حق فکرِ غذا
 پڑھنے کو کبھی گر دل چاہا
 شاگرد ہوں ببلِ شیدا کا
 مے سے یاں مجھ کو کیا مطلب
 رکھتا ہوں ترپانی سے لب
 سوسن کی طرح زباں رکھ کر
 جھگڑتا نہیں مثلِ صبا گل پر
 خط دیکھا جب سے ریجاں کا
 شاخوں کو گل کی قلم دیکھا
 مخرابیں گو نہ ہیں مسجد کی
 ہیں تینتر فاختہ اور قمری
 شاخیں ہیں وقفِ عبادت میں
 چڑیوں کی پاک جماعت میں
 سننے کو چڑیوں کے نغے
 خرمیہ باندھ اُن کے پیچھے
 جب شام کا سرمہ پھرتا ہو
 اور ضعف کا نزلہ گرتا ہو
 آنکھوں کے رستے لاتی ہو

جب اوسوں پیاس بجھاتا ہوں
 قدرت کے جلوے پاتا ہوں
 غم بھولے دل سے کاخوں کے
 پھل دامن میں ہیں شاخوں کے
 گل کے اوراق اُلٹتا ہوں
 جو یہ تہلکے رستا ہوں
 مری چاہیے دولت والوں کو
 دیتے ہیں داغِ جولالوں کو
 پاتا ہوں لطفِ جنوشتی میں
 کہنے کو کچھ سرگوشی میں
 خط لکھنا میں نے چھوڑ دیا
 اُس دن سے قلم بھی توڑ دیا
 گنبد تو یاں ہیں نالوں کے
 یاں بھیس میں اللہ والوں کے
 تسبیحیں ہیں تتلیں ہیں
 تکبیریں ہیں تر تتلیں ہیں
 شہباز جب آگے پڑھتا ہوں
 فی الاصل نمازیں پڑھتا ہوں
 آنکھوں میں آکر نرگس کی
 آنکھوں پر آکر ہر س کی
 چڑیوں کی نیند بسیروں میں

مجنکو بھی جا پہنچاتی ہر
چلو ہیں دل کو راحت سے
ہاتھوں سے صبا کے جھینکوں کے
اس میں جو سہارا پاتی ہیں
پٹ سے آنکھیں کھل جاتی ہیں

راحت پھولوں کے ڈھیروں میں
جب خوب شگفتہ پاتی ہر
ہنس ہنس کر صبح جگاتی ہے
تھوڑا بکھی بھویں پیشانی سے
پھولوں کی خوش عنوانی سے

صحبہ چہرہ

کیا جانے کے ہاتھ میں کیا کیوں سپید
 سپید میں سے ہٹا میں سے نور کی
 لب لکھے جاکے مگر کہ زندگی کے کام
 کیا دیکھے آیا کوئی ہٹنہ ہی نہیں ہر جب
 آنکھوں کی دور میںوں میں بھی اب نہیں رہ رہ
 جاسوں کان کے بڑے سوتے ہیں پہ جہنم
 طاقت کہاں بیاں ہیں کہ دیکھے گل کی طول
 وہ دن کہاں کہ بیچ سے ہو سیر جو ک کی
 پاؤں کے راہو را اٹھائے نہیں قدم
 جو کیرے پھر نہ سے ایک مستقیم
 کو کہ کو حق سے تھا اور جو بزرگ

تیرا چہکاوہ درپیش پہ اب یغنیب ہوا
 جنبہ سحر کا آن گڑا کوئج شب ہوا
 ہونا تھا جتنا بزم میں عیش و طرب ہوا
 نئے کار ہو جو قبضے میں شہرِ طلب ہوا
 دانستوں کا بھی حصار مرست طلب ہوا
 ان کی بلا سے دہر میں شور و غیب ہوا
 مجبور یوں سے وردِ زباں شکر ب ہوا
 باز اعلیش گرم - جہاں وقت شب ہوا
 کمری جو یکایک بیک یہ ہو گیا سبب ہوا
 معدے میں گر چہ بضم مسلم مطب ہوا
 کیوں کر خیالِ ناقلم و دستِ تحب ہوا

باب در بیان و تہذیب شیخ انتقال
چونکہ آنوقت شیخ العرب ہوا

پروفیسر شہباز کے اندر سطریل خیالات ایک پاپوش کی سرگرمشت

نئی بات مضمون اچھوتا ہوں میں
بھرا میٹھیوں سے صدف دار گوش

سنو میری بیٹی کہ بتا ہوں میں
انا النعل انا الکفش انا الپا سے پیش

زمانہ جاہلیت

نہ تھی جبکہ تہذیب دنیا کے بیچ
میں ہی ہوں کہ جب میں گیا کا پنور
ہزاروں بلکہ یہ ہوئی دل لگی
نہ متا صرت گو بر ہی کا جھینکنا
نہ تھا کوئی مجھ سے زیادہ ذلیل
جگہ میری ہر جا تھی صفتِ نغال
اُتر کر میں جُمن سے کرتا تھا بات
اثر سے نہ خالی تھی صحبت بری
ہزاروں ہی سنتا تھا میں گالیاں
زباں پر ہی تھا عضوِ مخفی دھرا
نہ تھے لفظ گو لے وہ تھے توپ کے
دکھانے تھے ذلت کو وہ چہر چہر
پکڑتے تھے کان اپنے سسکد گئی

ہراک رہ میسنت میں تھی میرے کچ
پھنسا مجھ کو کچڑ میں بھاگے سرور
کہ گو بر سے پاؤں میں مہندی لگی
لگی اس سے بھی برٹھ کے خوشبو حنا
تھی جا میری ذلت یہ میری دلیل
غرض بزم سے یوں دیا تھا نکال
بسر ہوئی تھی میری بڑھکے سات
وہ صحبت نہ تھی تھی گلے پر چھری
کہ شہزادیں جن سے سزا لیاں
مُغلط سے تھا منہ کا دامن بھرا
جیا کو رہے گاٹ کے نوپ کے
سناتے تھے پیچھے سے اُلٹی صدف
نیاراگ تھا اور نئی راگنی

الگ تال سر سے مٹی جو مٹی الاپ
 بہرہ وقت فینر کا تھا بس فینر
 وہ چھینکین وہ نفرت فرا کھائیاں
 وہ بلنم کے گھٹے وہ رینٹوں کے ڈھیر
 نہ تھیں واں نفاست کی پرچھائیاں
 جو ہوتی کہیں پیٹ میں کوئی شکر
 وہ پیٹے تھے حقہ پہ حقہ نہ تھا
 لگاتے تھے جس وقت گانجے کا دم
 چلم اپنی اک چٹھڑے میں لپیٹ
 دُھواں دم بہ دم طرز جاں کاہ سے
 جہاں ایک دم وہ لگا لیتے تھے
 غرض ایسی صحبت میں رہتا تھا میں

وہ گاگا کے سر پنا دھنتے تھے آپ
 بُرا تھا غرض سارا اٹمس فینر
 خناق گلو علق کی پھانسیاں
 لیا تھا زبیں کو غلاط نے گھیر
 غنوم سے آتی تھیں اُبھائیاں
 تو کرتا ضرور اُن کے منہ پر میں تو
 اُڑاتے تھے بُقا پہ بُقا نہ تھا
 مہا دیو سے پہلے کہتے تھے ہم
 لگاتے تھے دم پھر پھلنے تھے پیٹ
 نکلتا تھا منہ ناک ہر راہ سے
 رکاں سارا لیکر سڑا دیتے تھے
 جفا میں کینوں کی سنتا تھا میں

صحبت کا اثر

بُری صحبتوں کا بُرا تھا اثر
 مری بد معاشی کے تھے راز فاش
 غضب خوش خرامی سے چلتا تھا میں
 بلا کی مٹی بجلی سدا کو ندنی
 بلا تھا کہ سر سے نہ ٹلنا تھا میں
 مرے تاؤ پر گرم ہو قیل و قال
 ہر اک شخص سے مٹی مری لڑک جھوک

بُرانی میں باقی نہ مٹی کچھ کسر
 زلزلے کا تھا میں چھٹا بد معاش
 قیامت ہی مٹی جب نکلتا تھا میں
 کہ رہتی مٹی تلوے سے میرے لگی
 لڑیں سب خوشی سے اُچھلتا تھا میں
 جہاں میں ہوں جوتی میں ٹپتی مٹی دال
 ہو رستم کا سالا تو دیتا میں ٹوک

جہاں کوئی مجھ سے اکڑ کر چلے
 لیا تھا جو لڑتے کا بیڑا اٹھا
 ذرا کوئی مجھ سے جو منہ موڑتا
 بچا کم کوئی میرے آزار سے
 لرزتی تھیں مجھ سے سدا بیگیں
 خاصوں کا میری بدولت یہ نال
 بجالاتے تھے رات دن صبح و شام
 نہ جاتے کبھی گرمی خاک جھاڑ
 نہ بھولے ہی چہرے نہ روڑھے نہ بچے

مسل دلوں وہیں رکھ کے ایڑی تلے
 دبا پاں رہتا تھا منہ میں سدا
 وہیں اس کے چونا لگا چھوڑتا
 قیامت چلے بچکے دیوار سے
 عیاں جن کی نرگس سے سوشب نین
 لگائیں جہاں پائیں گن کر پچاس
 سدا آنکھوں سے تغیم لونڈی غلام
 تو دیتا انھیں بھی اُسی دم لتاڑ
 نہ بالے ہی مجھ سے نہ بوڑھے نہ بچے

تہذیب کا زمانہ

مگر اب زمانہ ہی تہذیب کا
 عیاں جس پر تھے خط و خال فتور
 اولک نہ کرنا اُسے زینہار
 چمک اس طرح کی سیاہی کے سات
 عیاں کر دکھاتا ہوں دن رات کو
 کوئن سے جھپکتی نہ ہیں گنگ سے
 ہو جاری سدا کا رو بارِ نظر
 نہ بچھی نہ تلوار کی ایسی نوک
 ہو ٹھوک سے ڈر دل میں پیٹھا ہوا
 رسائی نہ ہتی پہلے ٹخنوں ملک

وہ رخصت ہوا دورِ تقدیب کا
 اُسی منہ پر شایستگی کا ہی نور
 شرافت مرے لاک سے ہو آشکار
 ہو ظلمات میں موجِ آبِ حیات
 دکھاتا ہوں آئینہ ظلمات کو
 ہیں آنکھیں مری جھانکتی رنگ سے
 ہو نشیمن کی صورت میں تارِ نظر
 جہاں چاہوں گس جاؤں بے روک ٹوک
 گراڑی کا سکے ہو بیٹھا ہوا
 پہنچا ہوں میں اب تو گھٹنوں ملک

بہت بڑھ گیا ہی مرا عجب داب
موقع ہوں سونے کے مہینے سے
جو رتبے سے میرے وہ آگاہ ہیں
وہ لیتی ہیں جس دم مرے آ قدم
بڑھائے ہیں دوسرے خدا نے مرے
نہیں میرے موچی چاراب ذلیل
یہی ہوتے ہیں اب سویلین تنکاب
بظاہر بناتے ہیں گوپائے پوش
کہہ رکھتے ہیں اکثر کئی منزلیں
کلکڑی ہیں اور کشنہ ہیں
کہیں کوئی خوش وضع مٹرس

قضا پھرتی ہی میری تھا مے رکاب
شک روہوں اس سبک خیز سے
رکابیں سدا چشم براہ ہیں
لگاتی ہیں آنکھوں سے کیا کیا قدم
بڑے اب تو ہیں کار خلتے مرے
شرافت کی موچی گرمی ہی ذلیل
کھاتے ہی اب ہیں ملین تنکاب
دکانوں پر آؤ تو اڑ جائیں پوش
جہیں گاہوں سے کئی محفلیں
یہیں لاٹ صاحب کشنہ ہیں
کہیں کوئی ذیشان ڈیوک اور دوس

علوم سے تعلق

بظاہر ہیں گوکفش کے تین حرف
وہ چمڑا کہ بوجس سے آئے سٹری
خز و چوڑی بھولے سنکد یہ بات
وہ سب جھوٹ پٹی ہی کیسا
مرے صالحوں میں ہے جبرِ قلیل
ہی پڑنا بڑا ہی یہ چلتا ہوا
کوئی اس کا پھرتی میں ثانی نہیں

ہوے مجھ پہ ہیں بیسیوں علم صرف
دباغت میں ہی اس کی حکمت بھری
کہ چمڑا کہے مشک و عنبر کو مات
دیاجس نے چمڑے کا سکہ چلا
جو دے منہ کو جادو کے حکمت سے کیل
کچھ آگے ہی سب سے نکلتا ہوا
حقیقت میں جن ہر کہانی نہیں

ہتوڑا ہو جس دم یہ تانے ہوے کیتا ہو جس وقت چڑے کا تھان یہ سمجھو کہ بس حکم ہی کی ہو دیر نسب ٹھیک خوش وضع مضبوط چست	لہا ساس کا لوبا ہو مانے ہوے تو موجی کے گویا کرتا ہو کان لگا دے یہ دم بھر میں جوتوں کا ڈھیر ڈھلے سا بچے کے سر سے ہاتھ درست
---	--

عہد صحبت اور اس کا اثر

کینوں کی صحبت سے پائی نجات مرک پر نہ پانی نہ وہ کچھ ہو خوش آئند ہیں زندگانی کے واسطے جہاں چلتے ہیں تندرستی کے جام اگر کورٹ شپ میں ہو بوس و کنار کر کیوں نہ بلبل غزل خوانیاں چمکتا ہوں ابیں بھی بلبل کی طرح تنہ زہر گوشہ یا فتم	نہیں ابیں سنا گیس و اہیات کلب گھر ہو۔ کچھ ہو پلہ سچ ہو عجب روح پرور ہو بلبل پہ ہاتھ دکھاتا ہو تن کر درستی کلام تو داں بھی ہو یا قوت گو ہر شمار کہ چاروں طرف ہیں گل افشا نیاں کہ ہو باغ باغ اپنا دل گل کی طرح زہر خرمنے خوشہ یا فتم
---	---

لوٹی کی بھداری

ہر اک نیم ہر آتا جاتا ہوں میں میں فیض سے فیض پاتا ہوں میں مری اب تو ہر چہ چہ چہ پہ قدر	ہر اک نیم ہر آتا جاتا ہوں میں میں فیض سے فیض پاتا ہوں میں مری اب تو ہر چہ چہ چہ پہ قدر
--	--

ہیں پوچھتا کوئی ٹوٹی کی بات
جد اس سے ہر ایک انگریز کے
کے درد دل اپنا کس سے بیاں
سوچھڑیاں ہیں لکڑی اٹھائے ہوئے
دماغ اور کوٹ ہی عرش پر
مگر میں کہ ہر وقت ہوں دم کے ساتھ
جد میں ہوں ہو جد ا جاں سے

جدھر جاؤ میدان ہی میرے ہی ہات
پڑی ہی بجاری تیلے میز کے
اور کوٹ چھڑیاں ہیں یا چھڑیاں
کمال چھڑیاں ہیں چڑھائے ہوئے
ہی ٹوٹی بجاری پڑی فرش پر
ہوں میں پاس مسٹر کہ میڈم کے پاس
الا انما النعل جسد وال بدن

ازدواجی تعلقات

یہ ہر جاہلیت کے وقتوں کی بات
مری رنج و راحت میں ہدم نہیں
ہوا تھا جو بن دیکھے شامت سے عقد
بظاہر اگرچہ بہت زرق برق
اگرچہ اسی کی بڑی دھوم مچتی
جیا گو کہے دیکھو گھر گھٹ ہی رہا
وہ تھی چال ہر ایک رفتار پر
مگر وہ بھی مجھ سے بہت دور دور
کھلے اب تو ہیں منہ پوشرت کے گیت
ہزاروں میں چن کر نکالی ہوئی

ہوا ایک ام الجہالت کا سات
غرض آ کے وہ جوتی بیگم نہیں
لٹا رنج کے ہاتھوں راحت کا نقد
مگر حسن سے دوری عرب و شرق
نہ تھی ناک پیچیدہ خرطوم تھی
پکارے کہے منہ کہ منہ پھٹ ہیں یہ
ہنسے کباب اک قنقہ مار کر
یہ صحبت کہاں تھی کہاں یہ ضرور
لی ہی جو خاتون اک اپ ٹو ڈیٹ
ہی جا بچی ہوئی دیکھی بھالی ہوئی

سبھی اور سچائی، بچی اور تنی دہن سے سحر زلف مشکبگوں سے شام جھجک اور نہ وحشت پر اے کی طرح	کسی اور کسان کی کھلی اور ڈلی بخت سے طاؤس آہو خرام ہراک بزم میں ساٹھ سائے کی طرح
---	---

خاتمہ

نقلی نہیں ہر یہ حق گفتگو	انا الشوا انا البوط انا الپمپ شو
جس میں یہ مری کیوں نہ ہو عرس شریفوں کا شہباز ہوں غالب پا	

پروفیسر شہباز کے ستم ظریفانہ خیالات
”آثار اقبال“

اہل اسلام ہیں اب راہ پہ آئے جاتے اب بھی ہر چند ہیں وہ بستر راحت پہ پڑے پاؤں کو ہاتھ لگاتے ہی لگاتے نہیں لات چونکنے جاتے ہیں غفلت سے وہ رفتہ رفتہ اٹھ بھی جاتے ہیں اٹھاتے ہیں سہولت سے اگر لنگھی کر لیتے ہیں کپڑے بھی بدل لیتے ہیں چاہتا بھی ہو اگر تو ہیں ہوا بھی کھاتے گر چہ چلتے نہیں وہ ساٹھ ہراک رہ رہ کے	ہیں کچھ آثار سے اقبال کے پائے جاتے کہ وہیں لیتے ہیں گریں وہ جگمگے جاتے ہیں جگانے کو اگر پاؤں دباے جاتے اٹھنے دیتے ہیں جو بکے ہیں اٹھائے جاتے منہ بھی دھو لیتے ہیں گرم نہ ہیں دھلائے جاتے پیام کے ہاتھوں سے گردہ ہیں بٹھائے جاتے چین سے گریں وہ گچی میں بٹھائے جاتے دیکھ لیتے ہیں جو رستے ہیں دکھائے جاتے
--	---

گر پڑھائے عجبی وہ جاتے ہیں پڑھ لیتے ہیں
 گر چہ کرتے نہیں کو کشش عملی پہلو سے
 ہنس تو دیتے ہیں نہ روئیں اثر غیر سے
 کبھی سن لیں گے اگر پڑھ کے سنکے گا کوئی
 دستخط جلد سے کی نہ سنتوں پر کر دینے میں
 سود المند بھی نہیں دے بھی وہ پی لیتے ہیں
 شوق سے صیف مٹن ہمرہ مٹریں
 لیدر سے بھی کبھی ہاتھ ملا لیتے ہیں
 دسے حضرت کے خسام بھی وہ بھرتے ہیں
 فاکھوا سے بھی زیادہ نہیں ان کو انکار
 بار اٹھا لیتے ہیں اکثر ولدا لکبوس کا
 بھیجتے ہیں تباہی کو بھی بل پاپی میں
 پڑتے دیتے ہیں بھیجانی نہ پڑ جائی اس
 لیتے جاتے ہیں درایت سے مہذب رہیں
 چوٹیوں کی عوض آتی ہر کھائی کی گھڑی
 سب سے دیتے نہیں بیوہ وہ ڈھوکا طلبہ
 عقد کے وقت گفتہ کی باز کوئی اس
 پہلے دے کے تقابلیں لکھو کا شربت
 نہ رہے دست لگا کھائے میں دسترخواں کے
 اٹھکے قتل کے وہ خست ہوے جو حق چاہے
 گھر میں تے نہیں عشقی غزلی گلدستے

کچھ بھی لیتے ہیں کبھی گر میں کھائے جاتے
 سن تو لیتے ہیں جو کچھ میں سنکے جاتے
 کبھی قوم کے خاکے ہیں اڑائے جاتے
 نہ پڑھیں ایک ہیں اخبار توڑے جاتے
 دے بھی دیتے ہیں بہت گرہیں سنائے جاتے
 ٹولوں میں جو ہیں چپکے سے پلائے جاتے
 کھانے سے بچ رہے ہیں جو جھولیں کھلائے جاتے
 عوام اخلاق سے گرہیں وہ ملائے جاتے
 کھار گریں وہ نالیش کی دکھائے جاتے
 کوٹا تباہ ہے ہیں اگر دام میں لائے جاتے
 گریں تباہ ہیں کچھ رحم دلائے جاتے
 کچھ کھاتے غریب کے گرہیں وہ بلائے جاتے
 اڑتے دیتے ہیں اگر خط ہیں اڑائے جاتے
 اب وہ اگلے سے نہیں بیاہ رہا ہے جاتے
 بلائے پتہ ان کے ہیں سن پہنائے جاتے
 گیت سے سارے سارے نوپ ہیں گائے جاتے
 عیش سے سولی نہیں اب وہ پڑھائے جاتے
 کبھی رنگے شربت ہیں پلائے جاتے
 نیز کسی پڑوا میں کھلائے جاتے
 ہر جی مولن کے بارے میں دکھائے جاتے
 عربی، علمی رسالے ہیں منگائے جاتے

<p>قصہ ہر چند پرانے ہوں مگر میں سنئے عشق پرے میں ڈراموں کجیاں ہوتا ہوں مجلس نظم میں ذکر شہزاد کے ہونے گود میں بیوہ کے دکھلا کے بیٹی سے سلسلے میں کہیں تاریخ کے ہونے تیار شیخ علی دو پیادہ کے بھی ٹیگ پر طالت دیکھنا چڑوں کی لکھ کے سوار غری دیکھنا ان کو بھی جو کھڑوں کے کھڑا قافیوں اور دیفوں کی اٹھا کرتی ہیں لکھی جاتی ہیں متیں غیر متقی نظمیں کھینچا جاتا ہے ہر اک رنگ میں فطرت کا حال چھپے جاتے ہیں کہیں ٹیکے ٹیکے سے ساز</p>	<p>طرز دلکش سے میں ہر روز دکھائے جاتے پڑھتے اٹھتے ہیں کبھی پھر میں لکے جاتے سر شہنشاہ سے ہیں ہنکو سنائے جاتے مجلس دونوں کے چٹے بٹائے جاتے راہوں کے میں کہیں ٹیگ لگاے جاتے پہلو کی طرح ہم کو سنائے جاتے اب اس کو کوئی صاحب ہیں بڑھائے جاتے اب لمبے پنج کو سرٹ ہیں بھٹکے جاتے پیر ہونے ہیں ملے کے دکھائے جاتے نک سے بیوہ نہیں تہ وہ لائے جاتے سین فڈر کے ہیں ہر پھر کے دکھائے جاتے ندی نالے کے کہیں راگ ہیں گائے جاتے</p>
--	---

گوردا چاہے کوشیاں کسی دن ہم بھی
دیکھ لینا ہیں اسی رنگ میں سے جاتے

بیسویں صدی کی دوسری لکڑ

<p>مدن ترقی کا اقبال ہو کہیں مختصر سی ہو ٹی پار ٹی کسی جا ہو کرا ملاقات کا کہیں رخ پر سر حنی شایستگی</p>	<p>صدی بیسویں دوسرا سال ہو کسی جا بڑی دھوم سے بال ہو کہیں خوش نما ڈانگ ہال ہو کہیں منہ پہ تہذیب کا جال ہو</p>
--	---

غزالوں کے ہیں سُم کہیں ہوشیں
یہ بانٹ سے ہر ہڈی تاج دار
ہر دھڑکیے ہیں فنن لیٹے و
کھڑی ہر حکمتی ہوی بالکسل
سٹیم میں ہر منفعت کی سٹیم
نکلنا ہر نبے سے بحق دھواں
وہ اذور سنا ہو جو شعلہ فشاں
جہر دیکھو ریلوں کی ہر ریل پل
برک میں ادھر کھ رہے ہیں نرنگ
وہ ریلوں کی گردش وہ انجن کاندور
کہیں ہر اگر قحط کاندور شور
تو ہر ریل کا گارڈ قسم رینگ
ہزاروں ہی ہیں چل رہی گزیاں
اکیں ٹاٹ ہر جوٹ سے بن رہا
چڑھائی ہر صحت نے چرخوں پہاں
ہر اک پرنہ ہر باپ طائر کا
دھواں پھینکتا کب وہ ہر دوش
سینماں کے ہیں کر رہے کام جن
تھکے بھی ہیں سیکڑوں کھل رہے

ہرن کی کہیں پانوں میں چال ہو
وہ طاؤس نہ بیا پرو بال ہو
سیانہ نہ ڈولانہ سکھال ہو
قیامت کی ہر اُس کی جو چال ہو
تجارت کی خوب اڑ رہی پال ہو
نمازوں کی گرد اس جگہ کھال ہو
بعینہ اُسی کی یہ تمثال ہو
ہیں سڑکیں کہ پھیلا ہوا چال ہو
تڑک پر اُدھر چڑھ رہا مال ہو
زینت لڑے میں ہر بھونچال ہو
کسی جا اگر ملک میں کال ہو
ڈیوہ نہیں ہر وہ میکال ہو
کڑھل ہی کابن رہا مال ہو
کہیں اون سے بن رہی مثال ہو
نہ چرخا کہ یاں چرخ کیا مال ہو
ہر اک کیل پاں اُم غزال ہو
چڑھ پی رہا صاحب اقبال ہو
عجائب طلسمات اعمال ہو
جہاں قال بھی سر بسر حال ہو

ہر درپردہ اس میں حقیقت کا رنگ
 کوئی تو ہر مارے خوشی کے نہال
 دو گلی کا ہر اک دکھاتا ہر رنگ
 کہیں ہجر کی گفتگو ہر چھڑی
 کہیں قہقہے ہیں کہیں تالیاں
 کہیں سینہ کو بی ہر نوحہ کے ساتھ
 بنا ہر کوئی شاہ اور سے ہوشال
 کبھی پشیم ادبار ہوشال میں
 ترقی پہ تعلیم ہر دن پہ ن
 جو ہر مدرسہ ایک کالج و پچاس
 ہر لڑکوں سے اگر نمینشن کا مال
 چھپی ہر ان امید واروں کی لست
 جو گویا ہیں دو۔ ہیں چڑجی ہزار
 اگر آئیے بمبئی کی طرف
 مسلمان رکھتے ہیں عنقا کا حکم
 کسی کو اگر اے۔ بی۔ سی۔ آگئی
 سمجھ لے وہ معنی داڑگر آب
 سکول اور کالج سے اُس کی غرض
 زبانہ ہر جس بزم میں جمع و حزیج

کوئی سبز پردہ بوئی لال ہر
 کوئی ایکڑ غم سے پامال ہر
 کہ دیکھو یہ بالفعل فی الحال ہر
 کہیں وصل کی پتیل اور قال ہر
 کہیں رنج اور غم کا جہال ہر
 کہیں سُرا کہیں سم، کہیں تال ہر
 گداگر بچھائے ہوئے کھال ہر
 کبھی کھال پر چشم اقبال ہر
 ہیں دوسو کول ایک اگر سال ہر
 ترقی پہ لت اور سال ہر
 بھرا ممبروں سے سنٹ ہال ہر
 گزٹ کی مبارک جنمیں سال ہر
 بنرجی ہیں سو، ایک اگر پال ہر
 تو سہراب ہر۔ رستم زال ہر
 بُرا ان کا تسلیم میں حال ہر
 تو اے۔ بی۔ سی۔ بی اے کی سی فال ہر
 تو علما بس اک بحسب ستیال ہر
 ٹنٹس ہر۔ کہ کیٹ ہر۔ فٹ بال ہر
 غم فوم سے سینہ عز بال ہر

لے دکن میں ہندی مدرسے کو جس کو ہمارے ہاں ہاٹ ٹالا کہتے ہیں سال کہتے ہیں ۱۱

مگر کام کی بات کرتا نہیں
 یہ ہر حال اکثر کا۔ پران میں بعض
 (لیا جس نے یاں رشکِ غیرت سے کام
 کوئی ان میں ہو زمینت مانی کوٹ
 کوئی عدل میں تانی نایب
 مطالع بھی کثرت سے ہیں ہر جگہ
 جہاں بات ہو نرم سیسے کے ہاتھ
 جھپا جھپ ہیں اخبار وہ چھپ رہے
 ٹکٹ کے قدم سے روانہ ہوا
 ہیں میزوں پہ آفس کی پھیلے ہوئے
 کسی صفحے پر تار کی ہر خبر
 اڈیٹوریل کا ہو کالم کہیں
 کہیں شہر خبروں کی نوکل ہو روح
 کہیں ہو شگفتہ نظر الف کا بار
 پر کھتے ہیں صراف بن کر دیو
 چلے کس طرح سے بھلا وہ کتاب
 کتابیں بھی چھپتی ہیں کثرت کے ساتھ
 ہیں تصنیفیں اور بہت ترجمے
 اڈیسس کا کوئی نو ہو جہاں
 کوئی ہو بنا خوش چین زائد
 کہی غراں بیکن کا لہر با

کہ شامت اُسے ذکر اعمال ہو
 کچھ ایسے بھی ہیں جن کا خوش حال ہو
 وہی موجب رشک امثال ہو
 کوئی ملین کا نسل مال ہو
 کوئی بحث میں ہوسر بال ہو
 جہاں سنگ کا تب کا نقال ہو
 تو سر بے فصاحت کی ملکال ہو
 خبر پھیلتی ہو عجب حال ہو
 پلندے ہیں پر ڈاک کی پال ہو
 صنایع کا پھیلا ہوا جال ہو
 کہیں اشتہاروں کا جھال ہو
 کہیں سیل۔ اسپینچ کا حال ہو
 رپورٹر کہیں جان نقال ہو
 کسی جا لطافت کا پھل ہو
 جہاں جاری تصنیفی ملکال ہو
 لگا جس میں کھوٹا گھرا مال ہو
 بڑا لائبریریوں کا اقبال ہو
 کہ لذت فزا قرض کا مال ہو
 کوئی سٹیکبیر کا نقال ہو
 جسے خرمن علم ہر مال ہو
 پڑا کھینچا مال کی کھال ہو

کوئی آرکیٹیک کے جنگل میں گھس
 غرض یہ تھیٹر میں تصنیف کے
 ترقی ترقی کے جلوے یہ ہیں
 مبارک ہو عالم کوشائستگی
 مبارک اودھ پنچ کو سال نو
 حزیہ اروں کو بھی مبارک یہ سال
 نئے عرصے ہیں نئی آرزو
 پڑانے تزدو نکالے گئے
 اتارے گئے کل پڑانے لباس
 مکاں ہی نیا اور قلعی نئی
 نہیں علم اگرچہ پڑانی ہی میم
 نیا گول ہی اور بانٹ نیا
 پڑانا بلاستے ہی وائٹل کاسٹ
 پڑانا ہی گلوبٹ لک ہی نیا
 پڑانی کو کرتی ہی زمینت نئی
 کمر ختام کرنا چہ پلوکا
 پڑانی میں بھی ہی نئی کا حزا
 بھرا جھڑپوں میں ہی مارال شباب
 غرض کیا تماشے کو تفصیل سے
 برن بھیل جاتے ہیں یاں چوکوی
 غمخو ہوں ہی گٹ پٹ۔ کہ تزدو شوخ

شفا لائے مشغول اشغال ہی
 ہر اک شخص یورپ کا نقال ہی
 یہ تہذیب کی شان اجمال ہی
 کہ شائستگی وجہ اقبال ہی
 کہ اقبال کا یہ نیا سال ہی
 کہ اس سال کا خوش تر احوال ہی
 نیا حال ہی اور نیا سال ہی
 بکھڑا ہی کوئی نہ ججال ہی
 نئی جیب۔ روز رومال ہی
 نئے کمرے ہیں اور نیا ہار ہی
 نئی چال ہی اور نئی ٹو حال ہی
 یا منہ پہ نہینت فزا حال ہی
 نئے روز سے گال تولال ہی
 لونڈر نیا، کٹنہ رومال ہی
 سجاد سے بڑھیا جواں سال ہی
 کہ ہر میم اب نہینت بال ہی
 سبب اس کا یہ ہی نیا سال ہی
 جوانی بھی ٹپکانی یاں رال ہی
 اگر خوش حاصل بالاجال ہی
 کچھ اس طرح کی دل ربا چال ہی
 لب لعل مرغ ہما سال ہی

گر ایسے کو تر سے رنگیں ہو
مبارک وہ شبہا ز جنگال ہو

مناظرہ الماس و زکال یعنی ہیرے اور کوئلے کی لڑائی

ہیرے نے کہا اے کوئلے سے مخاطب ہو
کہ تیغ پہ ہو قبضہ مریخ ہو قبضے میں
میں چتر ہوں نوزانی ساسے کے لیے حاضر
جو مجھ سے ہوا نزدیک اقبال سے ہنزدیک
ترشے ہیں مرے پہلو رکشیں ہیں بے جوہر
باطن ہوں مرا کوکشن مشرب ہی مرصافی
اور تو کہ تری ظلمت گر چھائے نکلے میں
اس قیر و درونی سے جلتا ہی رہے ہر دم
ہو شحایہ فشاں جس دم بدھ جلتے شریشتیا
جل جل کے جلاتا ہی پاتا ہی جسے ختم
افسردہ ہو تو جس دم افسردہ ہو بے معنی
حسن کے ہوا کولا انگشت کے زینے پہ

میں مہر ہوں گردن پہ ہوں ماہ اگر شب ہو
گر تاج پہ ہو سایہ ہم رتبہ کو کسب ہو
جولان میں جس ساعت اقبال کا شہب ہو
شاہی کا مقرب ہو جو میل مقرب ہو
جو ہر تھکے انسان کا اس طرح مبارک ہو
لانم ہی کہ یوں صافی ہر شخص کا شرب ہو
سودج ہو تو چھپ جائے دن ہو تو وہ شہن ہو
تو بھلک کی آئل پہ ہر آن محتجب ہو
شعلے سے تھکے پیدا نہ ہو دم عقر پہ ہی
جیب سوخت ہوں کل مطلب حاصل ہو طلب ہو
افروختہ ہو جس دم افروختہ بے دھب ہو
سرگرم حجاب اس کا یوں خوب ہو خوب ہو

مانا کہ ترے جو ہر خورشید کے ہر چمکے ہر
ظاہر پہ نہ جا میرے آثار سیاہی کے
ترکیب پہ ظاہر کی تعریف نہیں زیبا
چھیدے ہیں خدا جانے کتنے ہی جگر تو نے
کیوں ہر اگلتا ہو؟ شعلے کی شرارت سے
جو خود ہو پڑا جلتا۔ تاباں کی بھلا کتنی؟
گو جلنے کو جلتا ہوں۔ پر اتنی تسلی ہو
کھیتی میں۔ تجارت میں لیں کام اگر مجھ سے
جب گیس کی صورت میں ہر شکر و سدا
بتجیر کی قوت سے ہر دروہ و یاں مانی
ہو میری شعلوں سے یہ آتش سیاہی
مطیع میں لگیں ہوں سرگرم بکائے میں
ترکیب میں کھانوں کی حل میوے کروں مشکل
سردی سے اڑتے ہوں جب شاہ و گدا دو کو
اجار کے گنجینے آنے ہیں نظر مجھ سے
ہو طبع رسامیری مطیع پہ اگر مائل
کپڑوں کی درستی پر گرفت کروں بہت
ہو روئی کا غد پر گرفت مری کو شمش
گھولوں میں سمند میں گرفت صفائی کا
خوشبو کی بقا پر میں خوش خوش ہوں اگر غائب
پھر قرن اگر گزریں کچھ زبیر زین محمد کو

مکن کہ تہا جلوہ یہ جلوہ کو کب ہو
ظاہر ہیں سویدا سے دل سے تو مخاطب ہو
خود میرے ہی اجزا سے جب تو بھی کب ہو
ہلایک کنی حیرت بر چھی کی اتنی جب ہو
پیدا وہی تجھ میں بھی سمیت عقرب ہو
ہو تاب بھی اُس کی جب جو کستہ رب ہو
جلنے سے مرے سماں راحت کا مرتب ہو
ہر کھٹکائی سے۔ ہر قوم مہذب ہو
یہ ریل یہ اسٹیم جو ہو مرا مرکب ہو
اس طرح صفا آگین مشرب ہو تو مشرب ہو
زہر اب کو جو غم کے تریاق مجرب ہو
احسان دہاں لائے۔ لب زیر فنا کب ہو
انواع لذائذ سے ہر جنس مرکب ہو
شنا ہوں کے قرب کا حاصل مجھے نصیب ہو
یہ گنج وہ ہیں جن میں گنجینہ مطلب ہو
آباد کتابوں سے تہذیب کا مکتب ہو
وہ جنس کروں پیدا جو ہر کو فریب ہو
ہر تختہ مٹا ہو۔ ہر صفحہ مذہب ہو
پھر قند سے ہر قطرہ شیرینی میں عذب ہو
ہر فصل زمانے کی خوشبو سے مطیب ہو
میں تیرا سبب ہوں تو میرا سبب ہو

غہبانہ پھرک اٹھے روح اسدی سن کر
گر کل جواہر سے یہ نظم ملقب ہو

طار الفردوس

پیارے کل مبارک سرشت کی چڑیا
نیشن ان کا ہو خوشبو بھرے جزیروں میں
ہوا کی موج جو خوشبو سیٹ لاتی ہو
جزائر ان کے ہیں سچ سج وہ رشک باغ ارم
عجب نہیں ہو کہ کچھ دن زیادہ نہر جیے
پہاڑ ان کے ہیں پہنے زمردیں پوشاک
لغیب ان کو ہو دلچسپ جنگلوں کا ساہل
گھنے درخت ہیں اک اک جن جاکے ہوئے
ہر پیر یا کہ مصلح کے عطر کا کنڑ
ہر اک درخت کی ہو شاخ شاخ طوطے کی
نہیں طور پہ باغوں میں تازہ پھول کھلے
منو و مغل رنگیں ہو سر سے گردن تک
نظر کے اسطے ہو یہ عجب بستی فرش
زمین کے پیٹ میں ہو جن قدر بھرے جوہر
حدیر کی ہو ملاست - گلاب کی نرمی
سفیدی چاندی کی - سونے کی اس میں دی ہو

ٹی ہو ہکوز میں پر بہشت کی چڑیا
بھرے ہیں ان کے ہزاروں کے جزیروں میں
منزلہ ان کے گھروں میں بکھر جاتی ہو
کہ عمارت کے لیں گرم جوشیوں سے قدم
جوان کے شہر کے دھودھو کے پانوں پر پیے
کہ جن پہ نہر ہیں کھاتے یہ نیلگوں افلاک
کہ جن پھیل رہا ہو نظر فروز دھواں
ادا نہیں اپنی ہیں لوگوں کے دل بھاسے ہو
درخت کا ہو یہ چنبر کہ طبلہ عنبر
لگی ہو بھٹی طور بہشت ماوی کی
کہ جن سے آنکھوں کو گلہ ستہ سرور ملے
دکھاتی قوس قزح کی جھلک ہون کی جھلک
نظر دکھاتی ہو جس فرش سے خدا کا عرش
نظار ان کے سرور گردن مرصع پر
طلم کی ہو تجلی - حیات کی گرمی
عجیب روپ سے دم ان کی لاجوردی ہو

جسے بتاتے ہیں دم مہو ہو ہر بال ہری
 رہیں ذرا ابھی طاؤس دم دبائے ہوئے
 ہوا میں ان کا پراچتر ہو سلیمان کا
 جو رنگ رنگ طیور طلسم پوش اڑے
 چٹنی ہو میز معلق ہوا پہ قدرت نے
 ہر جان شیریں لیے طشتی میں شیرینی
 غذائیں ان کی ہر نقش و نگار کا جادو
 نہیں ہر یک - نہ ہو - ان کو کیا نہ بسکت ہو
 پڑی ہو قلب میں ہر سائے ہر اس کی طرح
 اس ان کے خوف سے پہ دیسوں کو یہ امید
 وطن کو چھوڑتے ہیں یہ ہر اس کے بہت
 گزارتے ہیں یہ برسات غیر ملکوں میں
 سجھاتی ان کو ہر آفت میں دم کی بارش
 سفر کے وقت یہ جس کو امام کرتے ہیں
 امام ان کا کہ جو حکم شاہ رکھتا ہو
 ہیں اس کی دم پہ عجب زندگار پھول بنے
 کھلا ہو حسن نزا پھولوں میں وہ زریں باغ
 کسی قدر وہ سبھوں سے بلند رہتا ہو
 ہر ان کو لے کے وہ اڑتا ہوا کسے کسے کے مٹا
 مقابلہ کبھی طوفان سے راہ میں گر ہو
 ہو رفتہ رفتہ وہ حاصل نہیں ہوا ہر اوج

عجب نہیں جو ہری بھول جاے بال ہری
 کہیاں ہیں تار شاعی سمٹ کے آئے ہوئے
 ہری بھی دوڑے اکھاڑا کچھ ہستان کا
 تو رنگ خاص سے قوس قزح کے ہوش اڑے
 کہ جس میں جاں کی علالت بھری ہو لذت
 ہزار رنگ کی ہر طشتی میں رنگینی
 ہر پرورش کو یہ بہر و ردگار کا جادو
 شراب اس کی ہوا بتلبدیل کا کٹھ ہو
 منہ ان کی چڑھے حینان غل غل لباس کی طرح
 کہ دیکھ لیں گے پروں میں بجلی حور شہید
 سفر کو تے ہیں زریں لباس کے بہت
 ہیں ہر تے دیکھتے دکھاتے سیر ملکوں میں
 ہر اس کے ملکوں میں بارش میں نور کی بارش
 اطاعت اس کی بصد اہتمام کرتے ہیں
 خیال مرحلہ و شاہ راہ رکھتا ہو
 کہ جسے تار نظر واد میں سمول بنے
 کہ دل میں ہو دم طاؤس کے بھی عمر کا داغ
 کہ سہل سدا ہو شہد ر ہست ہو
 اٹ کے آئیں گے منہ پہ تاپروں کا غلٹا
 عروج خاص پہ ہر گرم اس کا لشکر ہو
 نہ چھو سکے کبھی طوفان فزا ہوا کی موج

یہ سمجھے اُس کے چلے آٹھ پہر جاتے ہیں
ہیں کہتے جاڑوں میں اہلی وطن کو اپنے رجوع
ہیں ماضی وہ جزائر الفردوس
ہوں میں جلوہ قدرت کا ہی ظہور خدا

جہاں کہیں وہ ٹھہر جائے ٹھہر جاتے ہیں
کہ جیسے مہر کے شوق میں دوبارہ طلوع
کہ جن میں بستے ہیں خوش نگہ نرائے فردوس
غلط نہیں۔ انھیں کہتے جو ہیں طیور خدا

آئینہ تہذیب

کچھ کچھ قوی سے کام لے۔ بے کار مت بے کار رہ
بے کار رہنا ہی بُرا۔ اس کام سے بیزار رہ
ہر فعل کی اصلاح کر۔ ہر لحظہ خوشی کر دار رہ
آنکھیں کھلی رکھ ہر گھڑی۔ سونے میں بھی بیدار رہ
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو ہشیار رہ
ہشیاریوں میں ست رہ۔ سستی میں بھی ہشیار رہ
تعلیم کی خداداد پر اس قلبِ نادان کو چسٹھا
علمی جھلٹ سے کوئی اخلاق کا زیور گھڑھا
پڑھ کر جو تو فاسق ہوا۔ بچوں کو بھی اپنے پڑھا
شغلِ کتب بینی بھی رکھ اور قابلیت کو بڑھا
تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
ہشیاریوں میں ست رہ۔ سستی میں بھی ہشیار رہ
مسئلے خطاب اس عہد میں اپنے لیے نادان کا
جوہر سے استعداد کے پڑھ ہی تہذیب جان کا

تعلیم کی گر ہو مدد جوہریہ ہواک شان کا
 تعلیم ہی حکاک ہی اس جوہر انسان کا
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ سستی میں بھی ہشیار رہ
 اگر کاوشیں تعلیم ہو جوہریہ نکلے کان سے
 تہذیب کے آئین سے ترشے تو چمکے شان سے
 گر آدمی حیوان ہو۔ انسان ہو حیوان سے
 انسان ہی پھر کیوں رہے؟ ہو وہ ملک انسان سے
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں بھی مست رہ سستی میں بھی ہشیار رہ
 گر کوٹ ہی ڈانٹا تو کیا۔ پتلون ہی پہنا تو کیا؟
 طرطوش ہی اٹھائی تو کیا۔ لٹکا ہی گر چھندا تو کیا؟
 میناک لگائی اور نہیں گر دیدہ بینا تو کیا؟
 سب کچھ ہوا اپنا اور نہیں گر علم ہی اپنا تو کیا؟
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ سستی میں بھی ہشیار رہ
 رکھ پیڑ سے ڈنڈے کو الگ۔ ہوتا ہی اس ڈنڈے سے کیا؟
 دعوے کے جھنڈے کو اٹھا۔ ہوتا ہی اس جھنڈے سے کیا؟
 ٹٹھے میں گر بیٹھا ہو تو۔ ہوتا ہی اس ٹٹھے سے کیا؟
 بے علم کو سنڈا ہوا۔ ہوتا ہی اس سنڈے سے کیا؟
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس میں سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 یوں ہو کہ تو تو چپ رہے اہل لوگ ہوں رطب اللساں
 شیرینی تو حیف سے ہوں سب کے سب عذب البیاں
 علم و فنوں کے ملک میں ہو صاحب نام و نشان
 تحقیق کی سرکار میں حاصل تھے ہو عز و شان
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 شوکت اور کوئل کی کیا؟ گر علم کی شوکت نہیں
 ہوتی گدھے کی کھال سے ضیغ کی وہ ہیبت نہیں
 ظاہر کی سطوت پہنچ ہو گر باطنی سطوت نہیں
 سلطان تھیٹر میں بہت۔ سلطان کی وہ وقت نہیں
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 ہو گر سلیپر چار کا۔ پاؤں گنی کا بوٹ ہو
 بیور کا سر پر ہیٹ ہو۔ یا بر میں بھاری سوٹ ہو
 محروم ہو گر علم سے تو ساری شیخی جھوٹ ہو
 تو ڈیگ کی رجنٹ کا اک بے تربیت رنگروٹ ہو
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مے سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 ہیں دخت رزمیں ستیاں۔ اس مست کو منہ مست لگا
 جتنے ہیں اربابِ نشاط ان کو تو مجلس سے بھگا

ٹھک لیتے ہیں یہ نقدِ دل - ہر سیکڑوں ہی کو ٹھکا
مستِ عشق کی غفلت میں پرٹہ ہشیار ہو دل کو جگا

تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو شراب رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ
پی کر شرابِ بد طعم کیوں عقل یوں کھوتا ہے تو
کیوں اپنے دل کی لوح سے حرفِ خرد دھوتا ہے تو
شاکی جگر کا ہے کبھی - آنکھوں کو گرہ روتا ہے تو
کانٹے پھر اپنی راہ میں یوں کس لیے بوتا ہے تو

تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو شراب رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ
کہتے ہیں سب اس کو شراب - اس آبِ بشر سے دُور رہ
ہو جس بشر کے پاس یہ - تو اُس بشر سے دُور رہ
شراب ہو گدہِ لختِ جگر - لختِ جگر سے دور رہ
آنکھوں پر - کھلے ٹھیکری - نورِ نظر سے دُور رہ

تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو شراب رہ
ہشیاریوں میں مست رہ - مستی میں بھی ہشیار رہ
سچے کے ہر ٹکڑے کو تو زخمِ جگر کا گھر سمجھ
گومی میں ہو کچھ خیر بھی - تو اُس کو یکسر شر سمجھ
امید کا مست نام لے - ڈرتا رہ اس کو ڈر سمجھ
گھنٹوں ہی پھر اُلٹی رہے - گو تیز ہو دم پھر
تہذیب کا یہ دور ہے - اس مے سے تو شراب رہ

ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 ہریم کا سایہ بڑا۔ رہ اس پر طے جن سے بچا
 جس ناچ پر بھولا ہی تو۔ اک دن وہ چھوڑے گا بچا
 ہندوستانی بیوی لا اور عیش کی دھو میں مچا
 سکھلا سلیقہ اور ہنر اور عمر بھر شا دی رچا
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 اہل فرنگ اہلیہ کو کہتے ہیں نصفِ خوبتر
 گر علم کی زینت نہیں۔ تو ہی وہی محبوب تر
 تو علم کی ترغیب سے اُن کو بنا مرغوب تر
 اخلاق کے زیور چھنا۔ ہو جائیں جو محبوب تر
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو ہشیار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 تعلیم نسواں پر اگر تہمت تری بائبل رہے
 پردہ جہالت کا سد ایکوں اس طرح قائل رہے؟
 گر وہ کدورت علم کی میقل سے گرنا قائل رہے
 ان عورتوں کے قلب کی ہریم بھی قائل رہے
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مے سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 جب لطف ہی پھیلا ہوا چو لٹکے پاس اخبار ہو
 جھلکتی ہو تر کامی جہاں داں علم کی تکرار ہو

سینا پرونا ہو جہاں دال عقل کا اظہار ہو
 ہر جا کتا بوں کا لگا خلوت میں اک انبار ہو
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 عقلِ فرنگ اچھی سی۔ حسنِ فرنگ اچھا نہیں
 گر شاؤ ونا دور یہ بھی ہو عفت کا ڈھنگ اچھا نہیں
 ہیں سب رنگے اک رنگ ہیں میموں کا رنگ اچھا نہیں
 ان کے کشادہ حزم سے ہو حال تنگ اچھا نہیں
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 جس وقت دل میں بال کا سون آں کر لہرائے گا
 تو دیکھ کر بیکر کا بل دل میں بہت گھبرائے گا
 سرکار سے ٹوسیکڑوں تنخواہ میں تو پائے گا
 تنخواہ تیری جڑ و کل اک گون ہی کھا جائے گا
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 رہنے کو ان کے چاہیے کو مٹی عجائب شان کی
 ہو آسمانِ اولیں جس کے زمیں ایوان کی
 سامانِ آرائش بھی ہو۔ افراط ہو سامان کی
 ہوں خانِ سامان لا تعد۔ گنتی نہ ہو دربان کی
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں ست رہ سستی میں بھی شیارہ
 پینے کو ان کے شامپیں - اکسا - براڈ می چاہیے
 اک وقت، اَلْم چاہیے - اک وقت دھسکی چاہیے
 کچھ دن بیردرکار ہو - کچھ روز شیریں چاہیے
 سوڈا لاونڈ بھی کبھی بہر تلی چاہیے
 تہذیب کا یہ دور ہے - اس مہ سے تو ہر شیارہ
 ہشیاریوں میں ست رہ سستی میں بھی ہشیارہ
 بسکٹ کا گر کچھ چاؤ ہو تو ہنٹلی پامر ہی ہو
 سرکہ اگر درکار ہو تیار ہی کلنر ہی ہو
 کنٹر اگر مطلوب ہو صنّاعی اسلر ہی ہو
 کاغذ قلم کے واسطے ہر شہر میں تھیکر ہی ہو
 تہذیب کا یہ دور ہے - اس مہ سے تو ہر شیارہ
 ہشیاریوں میں ست رہ سستی میں بھی ہشیارہ
 روشن مثالِ شمع ہو - پھیلا پھر اپنی روشنی
 ہو روشنی فانوسِ سیاں - کچھ چھن رہی کچھ ہو چھنی
 عالم چراغاں کا رہے - ہو روشنی پکسر گھنی
 ہر انجمن ہو - جملگی - برسوں رہے یوں ہی بنی
 تہذیب کا یہ دور ہے - اس مہ سے تو ہر شیارہ
 ہشیاریوں میں ست رہ سستی میں بھی ہشیارہ
 لمپوں میں ریڈنگ لمپ سے ہر شام یاں تو کام رکھ
 پھر روشنی علم سے روشن تو اپنی شام رکھ

سرفاقِ محنت میں جھکا اور طباقِ پرآرام رکھ
 گریضِ پائے علم سے تو فیضِ سب پر عام رکھ
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 تفریحِ خاطر کو اگر علمی کلب میں جائے تو
 بلیڈ اور شطرنج سے کم اپنا دل بہلائے تو
 عمدہ کتابیں علم کی الماریوں سے لائے تو
 یاد دگھڑی کی سیر کو اخبار ہی پھیلائے تو
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 لکھا بھی کہ اگر علم سے روشن تر ہے افکار ہیں
 تحریرگر مطبوع ہو تو بیسیوں اخبار ہیں
 افراطِ ہفتہ وار ہیں = روزانہ بھی دوچار ہیں
 وہ بھی ہیں کچھ چھپتے جو یاں ہر ماہ میں دوچار ہیں
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 دل ہی اگر تو نظر تو رکھ مشر سے رابطہ
 آجائے گا پھر ضبط میں وہ دل گدازیِ سنا بط
 یایسوں میں مبتلا کیوں ہوں قلوبِ قائلہ
 گواہ شہر فی درکار ہی، رکھیں حسن سے واسطہ
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 ہم درد ہو کہ قوم کا تو انجمن میں شور کر
 برسادے مینہ الفاظ کا۔ تقریر اک گھنگھور کر
 کم زور کی تائید میں طاقت بھراپنی زور کر
 بیمار کا آزار کھو۔ تدبیر چشم کور کر
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مڑ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 گرفتار ہیں کچھ قوم میں۔ اصلاح کی تکلیف لے
 مشغول ہوتا لطف میں اور عمدہ تصنیف لے
 ہر بزم میں شاہنشاہ سن۔ ہر ذکر میں تعریف لے
 لعظیم کا خلعت پہن۔ اغرائی کی تشہیر لے
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مڑ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 زیر حکومت ہونے سے انصاف کا گر محکمہ کس نے سمیٹا منظم
 پہچان کس پر نظم ہے۔ کس نے سمیٹا منظم
 تحقیق کے کاؤں سے سن قانون کا ہر زمرہ
 پھر کس شبانی عدل کی۔ کس شیر سے حفظ رہ
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مڑ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 مست جان کھولے کو کھرا پولیس کی تنبیہ سے
 غافل نہوا انصاف سے حکام کی تنبیہ سے

مست چھوڑ راہ راستی کج بختی تو چھوڑے
کچھ لوٹ مست رکھ ہو غرض گرنفس کی تمیز نہ سے

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

اخلاق حق میں خلق کے دن رات بذل جہد کر

تعلقی ظلم و جور کو انصاف سے تو شہد کر

ہو ظلم گر اس عہد میں انصاف کا تو عہد کر

گوارہ ہو گر جور کا تو معدلت کا عہد کر

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

ظلمتی نہ ہو جس کی بلا۔ تجھ سے ٹلے تو ٹال دے

پلتا نہ ہو گر کوئی دم۔ تجھ سے پہلے تو پال دے

اقبال ہو حق نے دیا تو صدقہ اقبال دے

کوڑی نہ ہو جس جیب میں تو اس میں پیادہ ال دے

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

رکھتا ہوں دنوں طبع اگر۔ کہ با نتیجہ ششاعری

اصلاح جس سے قوم کی ہو باطنی یا ظاہری

سجھ لال اس شہزاد میں دکھلا نہ راہ سحری

باطل ہو اس کے روبرو ہو گر چہ سحر ساری

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ

ہش یاریوں میں مست رہے ہستی نہیں ہشیار رہے

کیا لطف بارغِ عشق میں گشتِ عمری پھولی پھولی
کس کام کی مچ بھی گئی گر کچھ دلوں میں کھلبلی
ان کی سمجھ ہی کیا لگی گر نوجوانوں کو بھلی
وہ بات کر جس سے کھلے اسرارِ جودل کی کلی

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مڑے تو سرشار رہے

ہش یاریوں میں مست رہے ہستی میں بھی ہشیار رہے

رکھ شاعرانہ آنکھ سے ہر جزوِ عالم پر نظر

ہر نکتہٴ دل چسپ کا پھر تول رکھ دل میں اثر

تحقیق کر کس بات میں ہے نفع اور کس میں ضرر

پھر ہر اثرِ تقدیر سے دے اہل عالم کو خبر

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مڑے تو سرشار رہے

ہش یاریوں میں مست رہے ہستی میں بھی ہشیار رہے

ہر واقعے کی شان پر تیری نظر پڑتی رہے

گردِ بہالتِ چشم کے دامان سے جھڑتی رہے

باتیں عجائب ہر گھڑی فکرِ رسا گھڑتی رہے

تفریح کے مضمون پر طبعِ رسا لڑتی رہے

تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مڑے تو سرشار رہے

ہش یاریوں میں مست رہے ہستی میں بھی ہشیار رہے

گر آپ سے گھوڑا اڑا یہ بھی وہیں جھٹ پٹ مڑا

ہی ہنچھ پر یہ بھی اگر بھاگا گدھا رستی ٹوڑا

دیکھا اگر اُو کہیں۔ اُو ہی سے کچھ لے اُڑا
 جانا غنیمت ذہن نے جس وقت جو اُس کو جُڑا
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ بستی میں بھی ہشیار رہ
 حاصل ہے قعر بحر میں مچھلی کی آسانی اسے
 چوٹی پہ گر یہ جا پڑے ہو کچھ نہ حیرانی اسے
 بخشے نہ اصلا خیر کی سورج کی تابانی اسے
 چمکائے معلومات کی ہر دم فراوانی اسے
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ بستی میں بھی ہشیار رہ
 یہ نوع انسان کی کتاب اللہ کی تصنیف ہے
 ہر صفحہ اس تصنیف کا شایانِ صد توصیف ہے
 پڑھنے میں اس تصنیف کے گو سر بسر تکلیف ہے
 دو چار ہی صفحے تو پڑھ یہ بھی بڑی تعریف ہے
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ بستی میں بھی ہشیار رہ
 نکتے ہزاروں طرح کے ہیں صفحے صفحے میں بھرے
 اس نسخے کے ہر صفحے پر لازم ہے غورِ اناں کرے
 مت چڑ کسی انسان سے مت کر کسی کو تو پرے
 عاقل وہی ہے جو یہاں ہر مرد سے کچھ لے مرے
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 میلہا جہاں ہو جاہ پہنچ۔ سنبیلے کی ماہیت سمجھ
 توقیت کی تو جیکر۔ اوقات جمعیت سمجھ
 ہواغ محو حیف کو دیکھ۔ اسباب محو حیت سمجھ
 ہر ایک کا مقصد پرکھ۔ ہر ایک کی نیت سمجھ
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 جوئی سے کوئی بدکے۔ تو لکھش گر سے ربط رکھ
 مت جاگدھوں کے شور پر۔ دھوئی کے گھر سے ربط رکھ
 ہو جائے گا کندن پہ دل۔ ندرگہر سے ربط رکھ
 سقراط کو کر پیشوا۔ ہر پیشہ ور سے ربط رکھ
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 گرفتار پر تہ رستا ہو کچھ۔ اوپاش کی محبت بھی رکھ
 مردوں کا گر رکھنا ہو غم۔ بنائش کی محبت بھی رکھ
 ہشیار سے ملنا ہو۔ چائش کی محبت بھی رکھ
 اندر نہ کیوں ہو فکر میں۔ بنائش کی محبت بھی رکھ
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہ سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ بستی میں بھی ہشیار رہ
 ہر سطح کی محبت رکھ۔ ہر رنگ کا رکھ جگر
 ہر رنگ کی ماہیت سمجھ۔ ہر رنگ کا رکھ جگر

چمکا تو کیا ہر رنگ میں - ہر ڈھنگ کا رکھ تجر بہ
 ہر ڈھنگ سے آگاہ رہ - ہر رنگ کا رکھ تجر بہ
 تہذیب کا یہ دور ہے - اس موسم سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ - بستی میں بھی ہشیار رہ
 گرجان صاحب کی غزل یا ریختی - نگیں کی ہر
 پھلکڑی یا سلطان کا یا ہزل چرکیں وجہ تو
 یا ہر زہ جعفر زہل - کر ان مراحل کو بھی طر
 ہو یہ کسی نے سچ کہا بہ - علم شہر از جہل شہر
 تہذیب کا یہ دور ہے - اس موسم سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ - بستی میں بھی ہشیار رہ
 ہو بے عیاشی سڑی غزلوں کے منہ سے آرہی
 کس منہ سے تو نے یہ غزل اب اس زمانے میں کہی
 پھینک آ قصائد مدح گے - باقی نہیں عہد شہی
 رستہ ہدایت کا پکڑ - وہ چھوڑا گلی گم رہی
 تہذیب کا یہ دور ہے - اس موسم سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ - بستی میں بھی ہشیار رہ
 دوسوخت کو لے آگ میں یوں ہی امانت ڈال دے
 تیری بلا سے گزرتا اُس میں خیانت ڈال دے
 فوج میں لکھ کوئی - شور فطانت ڈال دے
 قالب میں نظم پاک کے جان و ہانت ڈال دے
 تہذیب کا یہ دور ہے - اس موسم سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 راعنب ہو فنِ نظم میں گر طبع سوے مثنوی
 حکمت اتر دیں گے سبقِ بخت کو حکیم غزنوی
 دوں ہی احق بالافتخار ہیں مولوی معنوی
 ہوفہن میں گر اختراع اس طرز کو بھی دے نوی
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مہ سے تو برشا رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 قطعہ۔ مستس۔ مثنوی۔ حفسہ۔ رباعی۔ یا غزل
 جو چیز لکھ اس طرح لکھ۔ مقبول ہو بین الملل
 جاہل میں پیدا علم ہو۔ عالم میں ہو حسنِ عمل
 اخلاق کی اصلاح ہو۔ ہر طرح ہو رفیعِ خلل
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مہ سے تو برشا رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 شاعر کے فن کے واسطے حاجت ہو معلومات کی
 قدرت ہو تا پیدا اُسے ہر بات کے اثبات کی
 سو سو طرح ثابت کرے تقریر ہو جس بات کی
 کھینچے غوثی میں دن کی وہ تصویرِ غم میں رات کی
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مہ سے تو برشا رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 احوالِ عالم پر نظر تا حدِ امکان بشہ
 ابنائے حکمت کی نظر میں ہر کمال منتظر

حکمت قرین شاعر مگر ہی وہ جو معلومات پر
 کر کے تصرف قلب پر ہی ڈالت مطلوب اثر
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 بس شاعری کی شاخ کو ورکا رہی حکمت کی جڑ
 حکمت کی چوکھٹ پر پہنچ، دن رات پیشانی رگڑ
 زد میں تری تفتیش کی جو علم وحشی ہو پکڑ
 ترکیب میں رہ علم کی - جہل مرکب میں نہ پڑ
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 علم ریاضی کے لیے برسوں ریاضت چاہیے
 فنِ طبیعی میں بہت صرف طبیعت چاہیے
 برسوں الکیات میں دن رات محنت چاہیے
 فنِ نظر میں منکر سے ہر لحظہ حجت چاہیے
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ مستی میں بھی ہشیار رہ
 ہیئت میں دل پر نقش ہوا احوال جذب عام کا
 لگ جائے لگاؤ رس کا کھلتے ہی نسخہ شام کا
 بنیم ثوابت سے عیاں مضمون ہو آرام کا
 ظاہر ہو سیارات سے سرگردش ایام کا
 تہذیب کا یہ دور ہی۔ اس مری سے تو سرشار رہ

ہشیاریوں میں ست رہ بستی میں بھی ہشیار رہ
 اٹھ جائیں پروئے آنکھ کے ہر شل کی ہو گر دور میں
 پیش نظر افلاک پر ہو جلوہ روئے زمیں
 آئے نظر مخلوق پھر ہر سو نہ میں پر جا گزیں
 عالم ہزاروں کھل پڑیں سبحان رب العالمین
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہر سے تو برشار رہ
 ہشیاریوں میں ست رہ بستی میں بھی ہشیار رہ
 تارے کہ جو ہیں راست کو دفع میں مشعل راہ کی
 ہوان کے دیکھے روشنی افزون دل آگاہ کی
 آئے طلانی حرف میں قدرت نظر اللہ کی
 اقلیم ہو مد نظر اس سچے شاہنشاہ کی
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہر سے تو برشار رہ
 ہشیاریوں میں ست رہ بستی میں بھی ہشیار رہ
 جس دم اُفت کا دائرہ کھنچ جائے سطح آب پر
 سرپوش ہو افلاک کا اک تختہ سیما پر
 ہو تختہ سیما پر کھولے ہوئے شرفا پر
 ہیئت کی ضو سے راستہ روشن ہو شیخ و شاہ پر
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مہر سے تو برشار رہ
 ہشیاریوں میں ست رہ بستی میں بھی ہشیار رہ
 ہر دم ہمارا اس سے چلا۔ ہر راہ میں کستان ہو
 پیش نظر کہاں ہو نقشے میں تاسکناں ہو

منزل نہیں کچھ دور ہے۔ قبرس ہو یا سیلان ہو
 ہرکان میں اس علم سے منزل شناس انسان ہو
 تہذیب کا یہ دور ہے۔ اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ
 مضبوط ہر تہذیب ہے مربوط ہر تہذیب ہے
 سنجیدہ ہر مضمون ہے۔ جربستہ ہر ترکیب ہے
 معقول ہر تخریص ہے۔ دل چسپ ہر ترغیب ہے
 شہباز نام اس نظم کا آئینہ تہذیب ہے
 تہذیب کا یہ دور ہے اس مری سے تو سرشار رہ
 ہشیاریوں میں مست رہ۔ مستی میں بھی ہشیار رہ

نظامی پریس کی ایک نہ لائبریری

(نیچر نظامی پریس برائے پوسٹ منگائیے)

(فنی ڈپٹ) مندرجہ ذیل آٹھ کتب جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک آنہ ہے اگر ایک ساتھ منگائی جائیں تو بجائے ۱۰ کے صرف ۸ روپیہ پیسے مع حصول و بیعہ بھیجا جائیگا۔

- ۱۔ بنی جی کی خوشی (زنانہ مولود شریف) لڑکیوں کے لیے۔
- ۲۔ بچوں کا حساب - زبانِ حساب کے گڑ۔ اُردو ہند سے اور پھاڑے۔
- ۳۔ ایک نادان خدا پرست اور دانا دنیا دار کی کہانی - مصنفہ سر سید مرحوم
- ۴۔ انشاء اللہ - ایک پُر لطف مکالمہ مصنفہ سر سید مرحوم
- ۵۔ راکھ بیکم بچوں کے پڑھنے کے قابل نہایت آسان نظم۔
- ۶۔ بد مزاج شوہر - بچوں بیاہوں کے لیے نہایت آسان اور عام فہم نثر کا قصہ۔
- ۷۔ مرزا پھویا - علی گڑھ کالج کے متعلق ایک پُر لطف نظم مصنفہ مسٹر سجاد حیدر بنی اسے
- ۸۔ مرثیہ مرزا غالب - مصنفہ مولانا حالی مرحوم۔

اردو دیوان غالب کا خاص ایڈیشن

ایک پر لطف دیباچہ اور مرزا کی مختصر سوانح عمری

مرزا کا نوٹو بھی اصل ہی، ۱۸۵۷ء کی خوشنما تطبیع عمدہ کاغذ، جلی قلم نہایت خوش خط حجم ۲۸۴ صفحہ قیمت باعتبار اعتبار کاغذ و نقاشی مثالی بیچ تیسرا اولیٰ جلد - قسم دوم عمرانی جلد - تعلیم یافتہ اصحاب بن کی انھیں کتاب کی معنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری نکاحات، نظریاتیوں اور دیدہ زیب اوائل کو ڈھونڈتی ہیں اس دیوان کی ایک جلد اپنے اپنے کتب خانہ کے لیے ضرور منگائیں۔

کسوف الشمسین

شمس العلماء مولانا شبلی اور شمس العلماء خواجہ حالی کامرثیہ مدظلہ حضرت احسن مارہروی۔ جس کے ساتھ ان دونوں آفتاب و ماہتاب علم و ادب کے حالات زندگی نشر میں بھی لکھے گئے ہیں۔ تطبیع خوب و دست خط ۳۰۰ حجم ۹۰ صفحہ قیمت فی جلد ۴۔

دو نو استوں کا پتہ: - مینیجر نظامی پریس بدایوں

نظامی پرس بدایوں میں

لکھائی چھپائی کا کام خاص اہتمام سے ہوتا ہے۔
 اگر آپ اس سے کام لینا چاہتے ہیں تو مینجر
 سے شرح چھپائی دریافت کیجیے۔

مینجر

مجموعہ نئے نظمیں

جانب شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مترجم قرآن کی تمام اردو ادبی نظموں کا پیش بہا
مجموعہ چھپ کر تیار ہے۔ مولف نے دیباچے میں سبب تالیف اور مولانا ممدوح کی شاعری اور ان کے خیالات
شاعری پر بحث کی ہے۔ ہر نظم کی ابتدا میں نظم کی شانِ نزول بھی لکھی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نظم کس زمانے
میں لکھی گئی کیوں لکھی گئی اور کس مجلس میں پڑھی گئی۔ اس مجموعے میں چند عربی قصائد اور تاریخیں بھی مع اردو
ترجمہ ہیں۔ چند نظمیں اور بھی ہیں۔ قصائد عربی سر ولیم مہر آبادی، لغت نگار وغیرہ کی شان میں لکھے گئے
ہیں۔ غرض مجموعہ نظم بے نظیر قابلِ دید ہے۔ کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ مولانا کی نظموں میں فصاحت کے جوہر
بے ہما کوٹ کوٹ کر بھرے ہیں۔ زبان کی صفائی اور شگلی آب حیات کو مانت کرنی ہے خیالات
کی رو سے یہ مجموعہ سرور رکھنے کے قابل ہے قیمت علاوہ محصول ڈاک ایک روپیہ

وکیل نسواں

یعنی

جو از تعلیم نسواں کے عقلی و فنی و لائق اور علمی اور دل نشین تدابیر مصنفہ مولوی سیف اللہ عالم
صاحب جس کو سلیکٹ کمیٹی تعلیم نسواں متعلقہ محمدن اینگلو اورینٹل ایجوکیشنل کانفرنس منعقدہ کلکتہ
نے دسمبر ۱۹۰۶ء میں اول نمبر پر بالغام دن اشرفی انتخاب کیا قیمت فی جلد علاوہ محصول ڈاک
آٹھ آنے ۸

تھیں

المشت

سید محمد عالم - محلہ پیر زادگان قصبہ مارہرو ضلع ایبٹ
مالک متحدہ آگرہ

جہاں آواز

جو اودھ پہنچ کے مشہور اور مقبول نامہ نگار عالی جناب نواب سید محمد خان بہادر

آئی۔ ایس۔ او (جن کا فرضی نام ۳۵ برس سے اردو اخبارات میں مولانا آزاد رہا ہے) کے پُر نور قلم طراقت رقم کا نتیجہ ہے اور اپنی عام شہرت اور خاص دل چسپی سے اردو کے عالمِ انشا میں اپنا آپ ہی نظیر ہے بار دیگر نہایت آب و تاب سے چھپ کر سرمہ کش دیدہ آواز ابھار ہے۔
 ذیل کے پتہ سے وی۔ پی۔ پارسل طلب فرمائیے۔ قیمت ایک روپیہ

نواب سید محمد خان بہادر

(۱) خیالات آزاد کا دوسرا حصہ متضمن مضامین مبینہ و اخلاق الگین۔

تعمیل مضامین یہ ہے:-

ع۔ مرنی بیمار و مرنی بخیر۔ (سفارش) مسلمانوں کا افلاس۔ پرستار پرستی۔ بنگالے میں شادی۔
 سبب مقدمہ بازی و غارتگری۔ ولایت کا سفر اور مسلمان طالب علم۔ ولایت جانے کا مانچ لیا۔
 میاں جھنڈ۔ ع۔ اسے زون دیکھ و خنزیر کو نہ منہ لگا۔ (مذمت شراب خوری) ع۔ پیری میں
 جمالی کے منہ یاد کریں گے۔ (بڑھاپے میں شادی) عشرت ہے۔ آفت ہے۔ مصیبت ہے۔
 قیامت ہے۔ (بیویوں کی مظلومیت) صوبہ بہار اور رشوت۔ بہار کے مسلمانوں میں کج فانی۔
 پیر من حسن است اعتقاد میں بس است۔ (مربع الاعتقادی) حکام رس اور نام و رہنمائی کا
 شوق۔ ہر کارے و ہر مردے۔ فاجرہ عورتوں کی محبت اور اس کے نتائج۔ کلکتہ میں مسلمانوں
 کے ہوٹل کی ضرورت۔ جیسا دیس ویسا بھیس۔ جان بھی نثار عیش ہے۔ ایک مسلمان انگریزی دہا
 طالب علم کے زمانہ تحصیل کے حالات و خیالات بعض میاں بھی بھی خند کے ہوتے ہیں میراٹن۔ عالی خانہ مانی و صفت راجہ بابا
 گفت۔ تو نے کبھی سوچا کیا بابا۔ لعنتہ اللہ علی ذل النسب و علی خارجہ نسب۔ لباس انگریزی کے فوائد۔ دعوتِ ہند
 یا عداوت ہے۔ پان بھی بے اعتدال ہے۔ آفت جان ہے حق حاضر ہے۔ دل لگی۔ سلام
 (۲) نوابی کھیل۔ کلکتہ کے ہر حلقے کے چلتے پڑتوں کی خوش فغلیوں کو ایک مونڈا اور دلکش تصویر۔ پیرایہ
 طرافت۔

یہ دونوں کتابیں بھی صاحب خیالات آزاد کے قلم اور رقم سے ہیں۔

تھ

سید اختر حسن۔ نمبر ۶۲ تا تلالین کلکتہ

